فضائل

دعوت وتبلیغ

تصنیف

حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ القاسمی

خادم الحدیث والافتاء وناظم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

ابن

استاذ العلماء جامع الاوصاف والکمالات منبع الفیوض والبرکات

حضرت الحاج مولانا قاری شریف احمد صاحب نور اللہ مرقدہ

مکتبہ شریفیہ گنگوہ ضلع سہارنپور یوپی

تصریحات

نام کتاب: فضائل دعوت وتبلیغ

تصنیف: حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ القاسمی حفظہ اللہ ورعاہ
صحبت یافتہ حضرت اقدس مولانا شاہ محمد احمد صاحب نقشبندی مجددیؒ
اجازت یافتہ حضرت اقدس مولانا قمرالزماں صاحب دامت برکاتہم
و پیر طریقت واقف اسرار حقیقت شیخ آصف حسین فاروقی نقشبندی مدظلہ
و جامع الاوصاف حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ خلیفہ حضرت مدنیؒ

صفحات ۴۸

طباعت اول

سن اشاعت ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۰۱۱ء

تعداد ۱۱۰۰

قیمت ۳۰

ناشر

مکتبہ شریفیہ گنگوہ سہارنپور یوپی انڈیا

فون: 01331-232357

ادع الیٰ سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة

فضائلِ دعوت وتبلیغ

قرآن وحدیث کے تناظر میں

نوٹ: فضائل وفوائد طرقِ آداب وغیرہ
پر مختصر گفتگو کی گئی ہے

ناشر:
مکتبہ شریفیہ گنگوہ، سہارنپور یوپی۔

تصریحات

نام کتاب: فضائل دعوت وتبلیغ

صفحات ۷۲

طباعت اول

سن اشاعت ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰۱۷ء

تعداد ۱۱۰۰

قیمت ۵۰

کمپوزنگ محمد دلشاد (رشیدی) کھیڑوی

ناشر

مکتبہ شریفیہ گنگوہ سہارنپور یوپی انڈیا

فون: 01331-232357

فہرست مضامین

پیش لفظ
اس اُمت کی خصوصیت اعتدال ہے
اللہ پاک داعی و مبلغ ہیں
نبی پاک ﷺ بشیر، نذیر اور داعی ہیں
بصیرت کے ساتھ دعوت کا کام کرنا
شریعت پر جمنا اور اس کی دعوت دینا
حکمت کے ساتھ دعوت دینا
سب سے عمدہ بات کس کی ہے؟
تشریح
دعوت الی اللہ کی مختلف صورتیں
داعی کیلئے عمل صالح اور تواضع ضروری ہے
امت کی فضیلت اور اسکے اسباب
اس آیت کریمہ کا مصداق کون ہے؟
باب دوم
امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اہمیت
عورتوں اور نوجوانوں میں بگاڑ کی وجہ
برائیوں کو کس طرح روکا جائے
منکر پر نکیر نہ کرنا باعث عذاب ہے

دعوت وتبلیغ کی ضرورت وافادیت

دعوت وتبلیغ کے انواع واقسام

دعوت وتبلیغ کا درجہ

چند مسائل متعلقہ تبلیغ

بچوں کے خرچ کا انتظام کئے بغیر تبلیغ میں نکل جانا

عورتوں کے لئے تبلیغی سفر

بھلائی کا حکم اور برائی سے روکنا ہر ذی شعور کیلئے ازحد ضروری

آپ ﷺ کا طریقہ دعوت وتبلیغ

ایک شبہ کا ازالہ

تبلیغ ودعوت

کام کرنے کا طریقہ

غیر عالم کا وعظ کہنا

مبلغین کے لئے راہِ عمل

جماعت تبلیغ کیلئے نصاب تعلیم وذکر

اصول تبلیغ ودعوت

تبلیغ کے آداب

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا ایک واقعہ

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے طریقے اور مواقع

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ اور ان کا طریقہ کار

پیش لفظ

الحمد لله الذی ھدا نا لھذا وما کنا لنھتدی لو لا أن ھدا نا اللّٰہ، وأخرجنا من عبا دۃِ الأ وثانِ الیٰ عبا دۃِ اللّٰہ وحدہ ومن جو رِ الأ دیا ن الیٰ عدلِ الاسلا مِ ومن عبا دۃِ الأ شجا رِ الیٰ عبا دۃِخالقِ الأ شجارِ ومن الظلماتِ الی النورِ، ومن الضلا لۃِ الی الھدایۃِونشھد أن سیدنا ومولا نا محمدا عبدہ ورسو لہ وصلی اللہ علیہ وعلیٰ آ لہ وأصحابہ وأزواجہ وأھل بیتہ أجمعین. أمابعد۔

قا ل اللّٰہ تعا لیٰ: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا كُمْ أُمَّةً وَّسَطاً لِتَكُونُوا شُهَدَآ ءِ عَلَى النَّا سِ وَيَكُوْ نَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْداً (سورۃ بقرآیت ۱۴۳) اور ایسے ہی ہم نے تمکو درمیانی امت بنایا تا کہ تم لوگوں کے بارے میں گواہ ہوجاؤ اور ہوجائے رسول ﷺ تم پر گواہی دینے والا۔

معلوم ہوا کہ اس امت کی سب سے بڑی صفت اعتدال ہے ۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عَدُوْلُه يَنْفُوْنَ عَنْهُ تحریفَ الغالِینَ وانتحالَ المُبْطِلِیْنَ وتأویلَ الجاھلینَ . (راوہ البیہقی، مشکوۃ شریف کتاب العلم ص:۳۶،ج:۱)۔

حضور پاک علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اس علم کو آئندہ آنے والے ہر جماعت وگروہ میں سے ایسے باصلاحیت و معتمد لوگ حاصل کریں گے جو غلو سے کام

کرنے والوں کی تحریف وتبدیل وباطل پرستوں کی غلط توجیہات ودلائل اور جاہلوں کی غلط آراء ومطالب کورد کرکے صحیح مطالب پیش کریں گے۔

جاننا چاہئے کہ دعوت وتبلیغ کی اہمیت وعظمت پر بہت سی نصوص وضاحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں، دعوت وتبلیغ دراصل نام ہے: ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کا (یعنی اچھائیوں کا حکم کرنا اور برائیوں سے روکنا) طاقت سے ہو کہ ارباب حکومت و نظام کا کام ہے یا ترغیباً وترہیباً (تبشیراً وتنذیراً وعدے وعید سنا کر دین کی طرف اعمال صالحہ کی دعوت دینا) زبان سے ہو کہ علماء کا کام ہے اور مبلغین کا کام ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ نہیں صرف ہمارا کام دوسروں تک پہنچانا ہے بطور وعظ ونصیحت کے نہ کہ بطور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے تب تو اس کا درجہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مقام سے اور نیچے آجاتا ہے اور اس کے لئے بھی علم، معرفت، عمل، اخلاص، ذکر، خشیت وغیرہ سے متصف ہونا پسندیدہ ہوگا کیونکہ فرمایا گیا: **لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ** (سورۂ صف آیت ۳) کیوں کہتے ہو تم ایسے کام کے بارے میں جو خود تم نہیں کرتے ہو بڑا گناہ ہے اللہ کے یہاں یہ کہ تم صرف دوسروں کو کہتے رہو ان کاموں کو اور خود نہ کرو، بہر حال وعظ ونصیحت ہو یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو، اس سے نظام شریعت قائم ودائم رہتا ہے اگر یہ سلسلہ نہ ہو تو شریعت کا نظام درہم برہم ہوجائیگا اسلئے یہ کام دین میں رکن اعظم کی حیثیت رکھتا ہے، جیسا کہ امام غزالیؒ نے ''احیاء العلوم'' میں فرمایا ہے: **هو القطب الأعظم في الدين** یہ اس قدر عظیم کام ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اسی کے واسطے دنیا میں مبعوث ہوئے ہیں،

اگر نبی بالفرض یہ کام چھوڑ دیتے تو نبوت ہی معطل ہو جاتی اور فسادِ عام واقع ہو جاتا، جیسا کہ اس دور میں جس قدر اس کام کے کرنے کی ضرورت ہے اتنا نہ ہونے کی وجہ سے جہالت کا غلبہ، بے دینی کا مزاج عام ہو رہا ہے، جس سے جان و مال اور عزت کا تحفظ ختم ہوتا جا رہا ہے۔ خدا کی پناہ، ایسی حالت میں ہمارے ان بھائیوں کی محنت اور کاوش کی جس قدر تعریف کی جائے وہ کم ہے جو دین سیکھنے اور سکھانے کیلئے گھروں کو چھوڑ کر بڑے جذبہ وشوق اور صحیح اُصولوں کے ساتھ اسلام کی اشاعت وتبلیغ کیلئے نزدیک ودور کے اسفار کرتے ہیں اور جا بجا جا کر لوگوں کو متوجہ کرتے ہیں اور انکو کلمہ، نماز اور دیگر دینی کاموں کیلئے تیار کرتے ہیں، جس کے فائدے بالکل ظاہر ہیں ان کا انکار سورج کا انکار ہے، اللہ پاک خاص رحمت نازل فرمائے ہمارے ان بزرگوں پر جنہوں نے اس عظیم مبارک کام پر لوگوں کو اُبھارا اور عوام وخواص کو ایک مضبوط و مستحکم اللہ کی رسی سے جوڑ دیا، اللہ پاک نے ان مخلص بزرگوں کی محنت وکاوش کو قبولیتِ عامہ عطا فرمائی جو اللہ پاک کا ایک عظیم احسان ہے۔

پھر انکی اس مبارک محنت میں اللہ کے فضلِ عظیم نے اس قدر برکت وترقی عطا فرمائی کہ چند سالوں میں یہ کام نہ صرف ایک علاقہ میں بلکہ پورے عالم میں عرب کیا، عجم کیا، شمال کیا، جنوب کیا، مشرق کیا مغرب کیا غرضیکہ تمام اقوامِ عالم میں پھیل گیا اور لوگ اس کام میں لگ کر حقیقی زندگی بنانے کی صحیح راہ پانے لگے مگر اسکے ساتھ ساتھ عوام اور علم دین سے ناواقف لوگوں کے غلبہ واکثریت کی وجہ سے بعض باتیں جو خود ان مخلص بزرگوں کی تعلیم انکے منشاء ومراد کے خلاف ہیں، اس میں اس طور پر داخل ہونے

لگی ہیں کہ جن سے وہ خطرہ سامنے آنے لگا ہے جس کو خود وہ مخلص اکابر الہامی طور پر محسوس فرمایا کرتے تھے اور انہوں نے اپنے ملفوظات میں اس سے ڈرایا تھا۔

مثال کے طور پر بعض لوگوں نے دعوت وتبلیغ کو فقط ایک طریقے میں ایسا منحصر کر دیا کہ باقی دوسرے طریقوں کی نفی کر دیتے ہیں اور یہ خیال وذہن بنا لیتے ہیں کہ دین کی اشاعت فقط ایک جماعت اور ایک طریق کار میں منحصر ہے اور سب کو بس اسی ایک طریقہ میں لگنا ضروری ہے جب تک وہ اس مخصوص طریقہ سے نہیں لگیں گے تو ان کی دوسری دینی محنتیں اور خدمتیں بھی قبول نہ ہوں گی اور نہ اس میں لگے بغیر ایمان مکمل ہوگا اور نہ نجات ہوگی ایمان کی تکمیل اور نجات کا دارومدار صرف اور صرف اسی میں منحصر ہے۔

جبکہ یہ سب طریقے مدارس، مراکز، خانقاہیں، تصنیفات وتالیفات، جہاد فی سبیل اللہ، مناظرے ومجادلے، خطبات جمعہ، اجتماعات وغیرہ اور انفراداً اجتماعاً سمجھانا اور نصیحت کرنا اور پڑھنا پڑھانا اور اذان دینا امامت کرنا اور تعلیم وتعلم کی ساری شکلیں جو رائج ہیں یہ سب بھی دین سیکھنا سکھانا ہے اور دین کی نشر واشاعت کی قسمیں اور طریقے ہیں، مثلاً اگر مکتب میں کوئی معلم بچوں کو تعلیم نہ دے تو ان کو نہ دین کی موٹی موٹی باتوں کا علم ہوگا نہ وضو کا پتہ چلے گا نہ نماز کا نہ کلمہ جات کا نہ دعاؤں کا اور نہ ان کو قرآن پاک کا پڑھنا آئے گا سمجھنا تو دور کی بات ہے اور جب بچپن میں جو سیکھنے کی عمر ہے اس میں نہ گذری ہوگی تو جوانی میں اور بڑھاپے میں سیکھنا اور ایک ایک حرف کو رٹنا اور ایک ایک آیت کو یاد کرنا اور ایک ایک دعاء کو یاد کرنا مشکل بھی ہوگا اور طویل وقت بھی لگے گا جیسا کہ اس کو سب لوگ سمجھ سکتے ہیں جو اس سب کے تجربات رکھتے ہیں جو لوگ بچوں کو

تعلیم دینے میں مصروف ہیں وہ کتنی بڑی تبلیغ کررہے ہیں اور جو لوگ ان کو قرآن پاک یاد کرارہے ہیں آیات ربانیہ دن رات ایک کرکے ان کے سینوں میں منتقل کررہے ہیں جس کے ذریعے سے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ (سورۂ حجر آیت ۹) کا وعدۂ ربانی پورا ہو رہا ہے پھر وہی حضرات آگے چل کر امامت کرتے ہیں اور تراویح پڑھاتے ہیں اور امت کو قرآن پاک سناتے ہیں کتنا بڑا فریضۂ تبلیغ انجام دے رہے ہیں کہ انبیاؑ جس کے لئے مبعوث ہوئے یعنی يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ (سورۂ بقرآیت ۱۲۹) کا پورا عمل جاری ہے پھر جو حضرات ان کو ایک ایک آیت کا صحیح مفہوم اور مضمون سمجھا رہے ہیں اور عمل پر ابھار رہے ہیں وہ قرآن پاک کے حقائق رموز اور اسرار و حکم اور احکامات اور وہ تمام چیزیں جن پر تمام انسانوں کی خیر صلاح وفلاح وابستہ ہے یعنی آداب ظاہری وباطنی، حقوق اللہ اور حقوق الناس کی تعلیم دے رہے ہیں جس سے نظام عالم کی اصلاح اور درستگی کا تعلق ہے کتنا بڑا فریضہ انجام دے رہے ہیں اور کتنا بڑا تبلیغی کام کررہے ہیں اسی کے لئے انبیاؑ تشریف لائے فرمایا گیا وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (سورۂ بقرآیت ۱۲۹) کہ انبیاؑ انسانوں کو کتاب اللہ اور حکمت یعنی طریقہ عمل، شریعت وسنت سکھاتے تھے، ایک تسلسل کے ساتھ جاری ہے سبحان العظیم، اسی طرح ایک وہ طبقہ جو بیعت وارشاد کے راستہ سے تزکیۂ نفس میں مشغول ہے اور برائیوں سے توبہ کرتا ہے اور اچھائیوں پر آنے کے لئے فکر کرتا ہے اور مسلسل ذکر اللہ میں لگتا ہے کتنے بڑے تبلیغی کام میں مشغول ہے کہ عہد رسالت سے لیکر آج تک لاکھوں اولیاء اللہ کے ذریعے سے لاکھوں کروڑوں انسانوں کی زندگیوں میں ایک صالح انقلاب برپا ہوا اور وہ

شرک وکفر، بدعت اور خرافات اور بد عملیوں کے ظلمات سے نکل کر ایمان اور تقویٰ کے نور سے منور ہوئے اور ذکر وفکر کی برکات سے مشرف ہوئے یعنی ان کا باطن اللہ کی محبت اور عشق سے سرشار اور معطر ہوا اور ان کا ظاہر نور شریعت اور سنت سے آراستہ ہوا ہے یہ عمل بھی کتنا بڑا اجتماعی عمل ہے، چنانچہ اس پر مستقلاً کچھ لکھا جائے الغرض یہ سب کتاب و سنت سے ثابت ہیں اسی کے ساتھ ساتھ بعض لوگوں نے بعض مستحبات کو فرض عین کا درجہ دیدیا ہے اسی کا نام غُلو فی الدین ہے جس سے اللہ پاک نے بچنے کا حکم فرمایا ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے "یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَاتَغْلُوْافِیْ دِیْنِکُمْ" (سورۂ نساء آیت ۱۷۱) اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو جس طرح اہل کتاب نے غلو سے کام لیا وہ اس غلو کی وجہ سے راہِ اعتدال سے ہٹ گئے اپنے اوپر رہبانیت کو فرض کر لیا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو فرض نہیں کیا تھا، پھر جب اسکو فرض کا درجہ دے دیا تو اس پر عمل نہ کر سکے، قول باری تعالیٰ ہے "وَرَھْبَانِیَّۃَنِ ابْتَدَعُوْھَا مَاکَتَبْنٰھَا عَلَیْھِمْ" (سورۂ حدید آیت ۲۷) کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بھی اپنی جہالت میں اپنی طرف سے خدا کی دی ہوئی سہولیات کو ختم کر رہے ہوں اور اسکو کارِ ثواب سمجھتے ہوں، حالانکہ وہ غلو افراط میں داخل ہو، اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس مبارک کام کو اُصول کے ساتھ کرنے اور کرانے کے لئے ایسا جامع نسخہ جس میں فضائل ومسائل آداب وطریقے وغیرہ جملہ مضامین ہوں تیار کر دیا جائے کہ افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال کے ساتھ تاحیات اس کام (دعوت وتبلیغ) کو کیا جاسکے اور دین کے دوسرے شعبے بھی متاثر نہ ہوں اور تفریق وگروہ بندی کی شکل نہ بن جائے جیسا کہ بعض علماء محسوس

کرنے لگے ہیں اعتدال ہی اس امت کا خاص وصف ہے اللہ پاک نے فرمایا ہے،
”وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا“ (سورۂ بقرآیت ۱۴۳) ایسے ہی ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا تا کہ تم انسانوں پر اور رسول تم پر گواہ رہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ دین سیکھنے سکھانے، تعلیم وتعلم کے طریقے بھی بہت سے ہیں اور دعوت وتبلیغ کے طریقے بھی بہت سے ہیں، اپنے حالات ومصلحت کو دیکھ کر ماحول کے مطابق جس طریقے کو زیادہ نفع بخش سمجھا جائے اختیار کیا جا سکتا ہے مگر وہ طریقہ سب پر لازم وضروری نہ ہوگا اور اس میں نہ لگنے والوں پر شرعاً کوئی الزام بھی نہ ہوگا، جبکہ وہ اپنے اعتبار سے دوسرے (دینی شعبوں کی تکمیل میں لگے ہوئے ہوں) بلکہ تواضع وعبدیت کا طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کو افضل وبہتر سمجھے کہ شاید انکی خدمات قبول ہوں اور میری خدمات قبول نہ ہوں اسی خوف کی کیفیت سے خلوص وللّٰہیت آسکتی ہے اور اگر دعوے کی شان پیدا ہوگئی تو کام خراب ہونے کا اندیشہ ہے، اللہ پاک ہم سب کو سب طریقوں سے اصول وآداب کے ساتھ دین کی خدمت کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین یارب العالمین۔

اللہ پاک داعی ومبلغ ہیں

(۱) دعوت وتبلیغ کی فضیلت وشرافت کیلئے اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ خود باری تعالیٰ عزوجل داعی ومبلغ ہیں، چنانچہ ارشاد پاک ہے" وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ " (سورہ یونس آیت ۲۵) اللہ پاک دارالسلام کی طرف بلارہے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق دیتے ہیں اوپر سے یہ مضمون بیان فرمایا جارہا ہے کہ دنیا کی زندگی بے حقیقت ہے، بہت جلد ختم ہونے والی ہے، اس کی مثال بارش کے پانی کی طرح ہے جو آسمان سے نازل ہوکر زمین پر گرا اس سے مختلف قسم کے گھاس اور سبزیاں پیدا ہوئیں جن کو انسان اور جانور کھا کر گذارا کرتے ہیں، جب زمین پورے طور پر خوش منظر ہوگئی کھیتی مکمل طور پر تیار ہوگئی، کسان دیکھ کر خوش ہوتا ہے کہ اب کھیتی تیار ہے اور ہم اس سے فائدہ حاصل کریں گے، ناگہاں آسمان سے کوئی آفت آجاتی ہے، کہیں اولے گرگئے کہیں آگ لگ گئی اور وہ کھیتی نیست ونابود ہوگئی، کسان کی امیدیں حسرت وغم سے بدل جاتی ہیں، اس طرح روح عالم بالا سے آئی اور جسم خاکی میں مل کر اس نے قوت پکڑی اور انسان کا کام بن گیا، اس کے متعلقین کو اس پر بھروسہ ہوگیا، اچانک موت نے اس کا سارا کھیل ختم کردیا اور بے نام ونشان رہ گیا، گویا کہ زمین پر آباد ہی نہ ہوا تھا ، اللہ پاک نے دارفانی کے فناء وزوال کو سمجھا کر دارِ بقاء کی دعوت دی ہے، وہ آخرت ہے کہ اسکی تیاری کرو، دارالسلام (جنت) میں داخل ہونے کیلئے اعمال صالحہ کرلو، صراط مستقیم یعنی طریقۂ نبی ﷺ اور طریقۂ خلفاء راشدین وصحابۂ کرامؓ، تابعینؒ وسلف

صالحین اختیار کرلو اسی میں سلامتی ہے، نیز معلوم ہوا کہ اللہ پاک کی دعوت عام ہے مگر ہدایت خاص ہے۔

نبی پاک ﷺ بشیر، نذیر اور داعی ہیں

(۲) اللہ پاک نے تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو ڈرانے اور خوشخبری دینے اور اللہ پاک کی طرف بلانے کے لئے مبعوث فرمایا، جیسا کہ قرآن کریم میں حضرات انبیاء کے واقعات تفصیل سے بتلائے گئے ہیں کہ انہوں نے اپنی اپنی قوموں کو اولاً ایمان وتوحید کی طرف دعوت دی پھر اعمال صالحہ کی طرف بلایا اور جب ان کی قوموں نے نہیں مانا تو ان پر عذاب نازل ہوا اور جنہوں نے مان لیا ان کو عزت ونجات حاصل ہوئی، اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی خاتم الانبیاء والمرسلین رحمۃ اللعالمین ﷺ کو اللہ پاک نے خطاب کر کے فرمایا "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَّمُبَشِّراً وَّنَذِيْراً وَّدَاعِياً إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجاً مُّنِيْراً وَّبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ فَضْلاً كَبِيْراً وَّلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَدَعْ أَذَاهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلاً" (سورۃ احزاب آیت ۴۵) اے نبی ﷺ ہم نے تم کو بھیجا ہے گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم سے اور چمکتا ہوا چراغ بنا کر اور خوشخبری سنا دیجئے ایمان والوں کو کہ ان کے لئے خدا کی طرف سے فضل عظیم ہے اور کہنا مت مان منکروں کا اور دغا بازوں کا اور چھوڑ دیجئے ان کا ستانا اور بھروسہ کر اللہ پر اور صرف اللہ پاک ہی کام بنانے والا ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ

لوگوں کو اللہ کی توحید سکھاتے اور اس کا راستہ بتاتے ہیں جو کچھ کہتے ہیں دل سے اور عمل سے اس پر گواہ ہیں اور محشر میں بھی امت کی نسبت گواہی دیں گے کہ خدا کے پیغام کو کس نے کس قدر قبول کیا یعنی نافرمانوں کو ڈراتے اور فرمانبرداروں کو خوشخبری سناتے ہیں، پہلے فرمایا تھا اللہ کی رحمت مؤمنین کو اندھیرے سے نکال کر اجالے میں لاتی ہے، یہاں یہ بتلا دیا کہ وہ اجالا اس روشن چراغ سے پھیلا ہے، شاید چراغ کا لفظ اس جگہ اس معنیٰ میں ہو جو سورہ نوح میں فرمایا "وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا" (سورۂ نوح آیت ۱۶) اللہ نے چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا، یعنی آپ ﷺ آفتابِ نبوت وہدایت ہیں جسکے طلوع ہونے کے بعد کسی دوسری روشنی کی ضرورت باقی نہیں رہی، سبھی روشنیاں اسی نورِ اعظم میں مدغم ہو گئیں، چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے کمالات اور ایسی برگزیدہ جماعت عنایت فرمائی تو آپ حسبِ معمول فریضۂ دعوت واصلاح کو پوری مستعدی سے ادا کرتے رہئے اور جو اللہ تعالیٰ حکم دیں اس کے کہنے یا کرنے میں کسی کافر ومنافق کی پرواہ نہ کی جئے یعنی اگر بدبخت زبان اور عمل سے آپ کو ستائیں تو ان کا خیال چھوڑ کر اللہ پر بھروسہ رکھئے وہ اپنی قدرت ورحمت سے سب کام بنا دیگا، منکروں کو راہ پر لے آنا یا سزا دینا سب اسی کے ہاتھ میں ہے آپ کو اس کی فکر والجھن میں پڑنے کی ضرورت نہیں، ان کا تو مطلب یہی ہے کہ آپ طعن وتشنیع وغیرہ سے گھبرا کر اپنا کام چھوڑ بیٹھیں، اگر بالفرض والمحال آپ ایسا کریں تو گویا ان کا مطلب پورا کر دیں گے اور ان کا کہنا مان لیں گے "العیاذ باللہ"۔

بصیرت کے ساتھ دعوت کا کام کرنا

(۳) ’’قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ‘‘ (سورۂ یوسف آیت ۱۰۸) آپ کہہ دیجئے کہ یہ میری راہ ہے بلاتا ہوں میں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر اور جو میرے ساتھ ہیں اور اللہ کی ذات پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں یعنی میرا راستہ یہی خالص توحید کا راستہ ہے میں تمام دنیا کو دعوت دیتا ہوں کہ سب خیالات واوہام چھوڑ کر ایک خدا کی طرف آئیں، اس کی توحید اسکی صفات وکمالات اور اسکے احکام وغیرہ کی معرفت صحیح راستہ سے حاصل کریں، میں اور میرے ساتھی اس سیدھے راستہ پر حجت اور برہان اور بصیرت ووجدان کی روشنی میں چل رہے ہیں، خدا نے مجھ کو ایک ہدایت کا نور بنا دیا جس سے سب ہم راہیوں کے دماغ روشن ہو گئے، یہاں کسی کی اندھی تقلید نہیں خالص توحید کا معاملہ ہے اور ہر قدم پر اپنے باطن میں معرفت وبصیرت کی خاص روشنی اور عبودیت محضہ کی خاص لذت محسوس کر کے بے ساختہ پکار اٹھتا ہے ’’سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ‘‘ (سورۂ یوسف آیت ۱۰۸)۔

(۴) ارشاد ربانی ہے ’’قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ‘‘ (سورۂ رعد آیت ۳۶) مجھ کو یہی حکم ہوا ہے کہ بندگی کروں اور شریک نہ کروں اسکا، اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف ہے میرا ٹھکانہ، یعنی کوئی شخص خوش ہو یا ناخوش میں تو اسی خدائے وحدہ لاشریک لہ کی بندگی

کرتا ہوں جس کو سب انبیاءؑ اور ملل بالاتفاق مانتے چلے آئے، اسی کے احکام ومرضیات کی طرف ساری دنیا کو دعوت دیتا ہوں اور خوب جانتا ہوں کہ میرا انجام اسی کے ہاتھ میں ہے، اس کی طرف رجوع کرتا ہوں وہی میرا ٹھکانہ ہے، وہی مجھکو آخرکار غالب ومنصور اور مخالفین کو مغلوب ورسوا کرے گا، لہذا کسی کے خلاف انکار کی مجھے قطعاً پرواہ نہیں، اس آیت میں یہ وضاحت سے آگیا ہے کہ نبی پاک ﷺ کی دعوت شرک سے بچنے ایمان اور عبادت الٰہی کی طرف لوگوں کو بلانا ہے۔

شریعت پر جمنا اور اس کی دعوت دینا

(۵) خالق تعالیٰ فرماتے ہیں "فَلِذٰلِکَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ اللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ" (سورۂ شوریٰ آیت ۱۵) بس آپ تو اس چیز کیلئے دعوت دیتے رہئے اور اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہئے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور لوگوں کی خواہشات کی اتباع مت کی جئے اور آپ تو اعلان کردیجئے کہ میں تو ایمان لاچکا ہوں اللہ پاک کی نازل کردہ کتاب پر اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے درمیان انصاف کروں، اللہ میرا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، ہمارے اعمال ہمارے کام آئیں گے اور تمہارے اعمال تمہارے کام آئیں گے، اب کوئی حجت بازی ہمارے تمہارے درمیان نہیں ہوگی، اللہ پاک قیامت میں ہم سب کو جمع کردیں گے اور انہیں کی طرف لوٹنا ہے، ان آیات مبارکہ میں حضرت نبی کریم ﷺ کو

دعوت کا حکم ہے اور ساتھ ساتھ استقامت کا حکم فرمایا کہ جس چیز کی دوسرے کو دعوت دیتے ہیں اس پر خود بھی مضبوطی کے ساتھ قائم رہئے گا تبھی دعوت عام و تام ہوگی اور اس میں جان بھی پیدا ہوگی، جب آقائے نامدار رحمت عالم ﷺ کو یہ حکم ہے تو دوسرے دعوت وتبلیغ میں لگنے والوں کو اس کا خصوصی اہتمام کرنا بہت ضروری ہے، خالی دوسروں کو کہتے رہنے کا نام دعوت وتبلیغ نہیں، بلکہ جو دوسروں کو کہا جارہا ہے اولاً اس کا مخاطب خود کہنے والے کا ظاہر و باطن ہو، بعض لوگوں نے صرف دوسروں کو کہنے کا نام دعوت وتبلیغ سمجھ رکھا ہے یہ غلط ہے۔

حکمت کے ساتھ دعوت دینا

(٦) اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ. اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ (سورۂ نحل: آیت ۱۲۵)۔

اپنے رب کے راستہ کی طرف بلایئے حکمت اور نرم نصیحت کے ساتھ اور ان سے بوقت ضرورت مجادلہ و مناظرہ بھی فرماتے رہئے مگر اچھے انداز و طریقے سے بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ کون گمراہ ہے سیدھے راستہ سے اور وہی زیادہ جاننے والے ہیں ہدایت یافتہ لوگوں کو۔ اس آیت پاک میں دعوت الی سبیل رب کے دو طریقے تلقین فرمائے گئے ہیں۔

(۱) حکمت و مصلحت دیکھ کر دعوت دینا، اچھے و مناسب الفاظ میں، اچھے مناسب طرز کے ساتھ جس سے مخاطب کے ضمیر پر اثر واقع ہو اور کہا گیا ہے کہ قرآنی

مواعظ کے ساتھ دعوت دینا مراد ہے، نیز معارف القرآن ادریسی ص ۲۷۰ ر میں لکھتے ہیں: محکم دلائل کے ساتھ دعوت دینا یہ دعوت بالحکمۃ ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے محکم دلائل سے شمس وقمر اور ستاروں کی اُلوہیت کو باطل کیا اور خداوند قدوس کا معبود برحق ہونا ثابت فرمایا ہے۔

(۲) دوسری قسم وہ نصیحت ہے جو کہ نرمی اور دلسوزی کے ساتھ ہو جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر کو دعوتِ توحید دی جس کو قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا:

"یَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَالَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَ لَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْئاً" (سورۃ مریم آیت ۴۲) اے میرے ابا جان آپ ایسی چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں اور نہ دیکھتی ہیں اور نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔

(۳) تیسری قسم دعوت بالمجادلہ ہے یعنی حسبِ ضرورت بحث ومباحثہ کرنا پڑے تو نہایت عمدہ طریقے سے مناظرہ کرنا چاہیے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے جواب میں فرمایا تھا "فَاِنَّ اللّٰہَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِھَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُھِتَ الَّذِیْ کَفَرَ" (سورۂ بقرآیت ۲۵۸) کہ میرا رب تو ہر روز سورج مشرق سے نکالتا ہے اگر تیرے اندر طاقت وہمت ہو تو مغرب سے نکال دے یہ سن کر وہ کافر مبہوت وحیران ہوگیا یہ دعوت بالمجادلہ تھی۔

الغرض یہاں یہ بات ثابت ہوگئی کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی دعوت اولاً توحید کی طرف تھی یعنی غیر مسلموں کو توحید واسلام کی طرف لانے کی کوشش تھی پھر اعمال صالحہ کی طرف لاکر ان کی اصلاح مقصود تھی اور ان اکابر نے اپنی دعوت وتبلیغ

میں اصول مذکورہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھا بے اصولی کبھی اختیار نہیں فرمائی ہے، حالانکہ ان حضرات سے زیادہ دردوغم اوروں کو نہیں ہوسکتا ہے جو بالکل واضح ہے۔

تفسیر جواہر القرآن: ص/۱۷/ج/۸/ میں دعوت بالحکمۃ کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا "خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَاهُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ" (سورۂ نحل آیت ۴) اللہ پاک نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا پھر بھی وہ صراحۃً جھگڑا کرتا رہتا ہے اور آیات اِنعام "وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا" (سورۂ نحل آیت ۶۸) اور آپ کے پروردگار نے شہد کی مکھی کی رہنمائی فرمائی اس بات کی کہ وہ پہاڑوں کے اندر اپنے مکانات بنائے، نیز خالق ارض سماوات فرماتے ہیں "اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ الخ" (سورۂ ملک آیت ۱۹) کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ وہ انکے اوپر صف بصف آتے ہیں اور عوام الناس کیلئے موعظۃ حسنۃ یعنی "لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِىْ هٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ" (سورۂ زمر آیت ۱۰) جیسی آیات کے مضامین ہیں اور تیسری قسم کی مثال وہ آیات ہیں جو بنات کے سلسلے میں نازل ہوئی ہیں کہ کفار لڑکیوں کو معیوب سمجھا کرتے تھے، انکی تردید کی گئی ہے، تفسیر بحر محیط: ص/۵۳/ج/۵/ میں ہے کہ مواعظ حسنہ سے مراد وعدو عید خوف اور امید والے مضامین ہیں، جنت وجہنم ثواب وعقاب کے تذکرے مراد ہیں۔

سب سے عمدہ بات کس کی ہے؟

"وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ

اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَ بَیۡنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ" (سورۃ حٰمٓ سجدہ آیت ۳۴) اور اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے کہ جس نے بلایا اللہ کی طرف اور کیا نیک کام اور کہا میں فرمانبرداروں میں سے ہوں، اور برابر نہیں نیکی اور نہ بدی، جواب میں وہ طریقہ اختیار کر جو بہت بہتر ہو، پھر تو دیکھ لے کہ تجھ میں اور جس میں عداوت ودشمنی تھی گویا دوست ہے قرابت والا۔

تشریح

اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے اور خود بھی نیک عمل کرے، معلوم ہوا کہ اگر داعی ومبلغ عمل نہیں کرتا تو وہ اس آیت کا مصداق نہیں ہے، کیونکہ یہاں عمل صالح کی وضاحت ہے، بلکہ پھر وہ وعید شدید کا مصداق ہوجائے گا، اور کہے کہ میں فرماں بردار ہوں، یعنی بندگی کو اپنا فخر سمجھے اور متکبرین کی طرح اس سے عار نہ کرے، اور چونکہ دعوت الی اللہ اور اصلاح خلق کا ارادہ کرنے والوں کو جاہلوں کی طرف سے ایذاؤں اور تکلیفوں کا سامنا ہوتا ہے، اسلئے آگے ان کے ظلم کے مقابلہ میں انصاف اور برائی کے بدلے میں بھلائی کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔

نیز تجربہ سے ثابت ہے کہ دعوت کے موثر اور کامیاب ہونے کا بھی یہی طریقہ ہے کہ مخالفین کی ایذاؤں پر صبر کرکے ان کیساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے، اسلئے رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرکے فرمایا (جس میں سب مسلمان ضمناً شامل ہیں) کہ نیکی اور بدی برابر نہیں ہوسکتی، بلکہ ہر ایک کا اثر جدا ہے، اور جب یہ بات ثابت ہوئی تو اب آپ مع اپنے متبعین کے نیک برتاؤ سے بدی کو ٹال دیجئے، پھر یکایک آپ دیکھیں گے کہ آپ

میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کہ کوئی دوست ہوتا ہے، یعنی بدی کا بدلہ بدی سے دینے میں عداوت بڑھتی ہے، اور نیکی کرنے سے بشرطِ سلامت طبع دشمن کی عداوت گھٹتی ہے، یہاں تک کہ اکثر کی تو بالکل عداوت ہی جاتی رہتی ہے، اور اس معاملہ میں مثل دوست کے ہو جاتا ہے، گو دل سے دوست نہ ہو، اس آیت کے تحت حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ معارف القرآن ص ۶۵۲/ ج ۷ میں فرماتے ہیں "وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا" (سورۂ حٰمٓ سجدہ آیت ۳۲) یہ مؤمنین کاملین کا دوسرا حال ہے کہ وہ صرف خود ہی اپنے ایمان وعمل پر قناعت نہیں کرتے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں، اور فرمایا کہ اس سے اچھا کس کا قول ہو سکتا ہے؟ جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے۔

دعوت الی اللہ کی مختلف صورتیں

معلوم ہوا کہ انسان کے کلام میں سب سے افضل واحسن وہ کلام ہے، جس میں دوسروں کو دعوتِ حق دی گئی ہو، اور دعوت الی اللہ کی سب صورتیں اس میں داخل ہیں، یعنی مدارسِ اسلامیہ، خانقاہیں، مراکزِ تبلیغ، مکاتبِ قرآنیہ، درس وتدریس، تصنیف وتالیف انفرادی اور اجتماعی طور پر سمجھانا خیر کی طرف بلانے کی جملہ محنتیں اور ان کے مقامات۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ یہ آیت مؤذنوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، کیونکہ وہ لوگ نماز کی طرف بلاتے ہیں، اس لئے اذان کے بعد کی دعاء میں اذان کو دعوت تامہ فرمایا گیا، کہ مختصر الفاظ میں اثباتِ توحید ورسالت اور دعوت الی الاعمال الصالحہ ہے، جس کا اعلیٰ فرد نماز ہے، تو اذان وہ دعوت تامہ ہے، جو پانچوں وقت مسجد

کے پلیٹ فارم سے تمام انسانوں کے نام نشر ہوتی ہے، جس میں مسلم وغیر مسلم سب کیلئے یکساں دعوت ہے، نماز بھی دعوت وتبلیغ پر مشتمل ہے، کہ اس میں شعار الٰہی کا علی العموم اظہار ہے، اسی طرح وہ دیگر عبادات بھی جو علی الاعلان ادا کی جاتی ہیں، یہ سب دعوت وتبلیغ کے مظاہرے ہیں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ داعی ہے، اللہ تعالیٰ کی توحید ومعرفت کی طرف بلا رہا ہے، اور غور وفکر کی دعوت دے رہا ہے، پھر مسلمان کو کیوں نہ سراپا دعوت وتبلیغ ہونا چاہیے، اس کا لباس، رفتار وگفتار، معاملات، اخلاق اسقدر شریعت مطہرہ کے مطابق ہونے چاہئیں کہ اس کا وجود ہی دعوت وتبلیغ ہو جائے، اور دعوت عملی، دعوت قولی ولسانی سے زائد موثر ہوتی ہے، حضرات صحابہ کرامؓ و تابعین عظام اسی طرز کے حضرات تھے، یہ مطلب نہیں کہ وہ زبان سے دعوت وتبلیغ نہ کرتے تھے، بلکہ زبان سے بھی کرتے تھے، حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اگرچہ اس کا مصداق رسول کریم ﷺ ہیں، مگر یہ آیت عام ہے، ہر اس شخص کے بارے میں جو اللہ کی طرف دعوت دے، اور نیک کام کرے۔

داعی کیلئے عمل صالح اور تواضع ضروری ہے

حاصل یہ ہے کہ دعوت الی اللہ سب سے افضل عمل ہے، مگر جب مکمل ہوگا کہ اس کے ساتھ عمل صالح اور تواضع ہوگی. "وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ" یہاں سے دعوت الی اللہ کی خدمت انجام دینے والوں کو خاص ہدایت دی گئی ہے، جس کا حاصل یہ ہیکہ وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیں، بلکہ صبر اور احسان سے کام لیں، "اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ" (سورۂ حٰمٓ سجدہ آیت ۳۴) یعنی داعیان حق کی

خصلت یہ ہونی چاہئے کہ وہ لوگوں کی برائی کو طریقِ احسن سے دفع کریں، وہ یہ کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دینا اور معاف کردینا تو عمل حسن ہے، اور احسن یہ ہے کہ جس نے تمہارے ساتھ برا سلوک کیا تو تم اس کو بھی معاف کردو، اور اس کے ساتھ احسان کا برتاؤ بھی کرو، صبر، حلم، برداشت اور احسان کرنا داعی کے لئے بہت ضروری ہیں، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس آیت میں حکم یہ ہے، جو شخص غصہ کا اظہار کرے، تم اس کے مقابلہ میں صبر سے کام لو، جو تمہارے ساتھ جہالت سے پیش آئے، تم اس کے ساتھ حلم و بردباری کا معاملہ کرو، اور جس نے تم کو ستایا اس کو معاف کردو (بغوی: ص/۱۱۵ ج/۴)۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کو کسی شخص نے گالی دی اور برا کہا، تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا، کہ اگر تم اپنے کلام میں سچے ہو، میں مجرم خطاکار اور برا ہوں، تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمادے، اور اگر تم نے جھوٹ بولا ہے، تو اللہ تمہیں بھی معاف فرمادے (قرطبی: ص/۳۶۱ ج/۱۵)۔

سورۂ حجر: پ/۱۴ رکوع: ۶/ میں اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: ”فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ“ سو سنادے کھول کر، صاف صاف، جو تجھ کو حکم ہوا ہے، اور پرواہ نہ کر مشرکوں کی۔

یعنی کہنے میں کوتاہی نہ کیجئے، خوب کھل کر خدائی پیغامات کو پہونچایئے، یہ مشرکین آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے (ترجمہ شیخ الہند: ص/۳۵۴)۔

بلکہ یہ لوگ آپ کی مخالفت کرکے اپنا ہی نقصان کریں گے، آپ کا کام حق واضح کرنا

ہے، چنانچہ نبی پاک ﷺ نے ہمیشہ حق واضح فرمایا ہے، اور اس کی تاکید فرمائی ہے، اور آپ ؐ کے نائبین کی بھی ایک جماعت ایسی ضرور رہے گی، جو حق کے ساتھ اصول کو سامنے رکھکر کام کریں گے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لاتزال طائفة من امتی منصورین لایضرهم من خذلهم حتی تقوم الساعة (ترمذی شریف ابواب الفتن باب ماجاء فی اہل الشام حدیث نمبر ۲۱۹۲ رمشکوٰۃ شریف رص: ۵۷۶ رباب ثواب ہذہ الامۃ) میری امت میں سے حق پرستوں کی ایک جماعت ہمیشہ منصور رہے گی، جو اس کی نصرت کرنا چھوڑ دے گا، اس سے اس جماعت کو کوئی نقصان نہ ہوگا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔

حضرت امام بخاریؒ کے استاذ علی بن المدینیؒ نے فرمایا کہ وہ طائفہ محدثین کی جماعت ہے، اور کہا گیا ہے کہ حضرات فقہاء مراد ہیں، اور کہا گیا ہے کہ صوفیاء کرام مراد ہیں، یہ سب ہی مراد ہو سکتے ہیں، ان سب بزرگوں نے اپنے اپنے دور میں تبلیغ کا حق ادا فرمایا ہے، اگر یہ حضرات دعوت وتبلیغ نہ کرتے تو ہم تک دین نہ پہنچتا، اور آج بھی ان سب طریقوں سے دعوت وتبلیغ کا کام انجام دیا جا رہا ہے، کہیں مسائل کی تعلیم ہے، کہیں صرف فضائل کی اور کہیں دلائل کے ساتھ سب چیزوں کی، اور سب ہی اپنے اپنے طور پر اشاعتِ دین کی خدمت میں مصروفِ کار ہیں۔

امت کی فضیلت اور اسکے اسباب

سورۂ آل عمران میں خالق کائنات فرماتے ہیں "کُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ

الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ" (سورۃ آل عمران آیت ۱۱۰) تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجے گئے لوگوں کی ہدایت کے لئے عالم میں، حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر، اگر ایمان لاتے اہل کتاب تو ان کیلئے بہتر تھا، کچھ تو ان میں ایمان پر ہیں اور اکثر ان میں نافرمان ہیں۔

تشریح: یعنی یہ فضیلت کہ تم کو تمام امتوں میں سب سے افضل اور خیر بنایا گیا ہے اس شرط کے ساتھ ہے کہ تم اچھی باتوں کا حکم کرتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پاک پر ایمان لاتے ہو، اے کاش! اہل کتاب یہود و نصاریٰ بھی ایمان لاتے تو ان کیلئے بہتر ہوتا، ان میں ایمان والے بھی ہیں مگر زیادہ تو فاسق ہی ہیں۔

اس آیت کریمہ کا مصداق کون ہے؟

ایک جماعت نے کہا کہ جن سے اولاً خطاب ہے وہ مصداق ہے یعنی حضرات صحابہ کرامؓ حضرت حسن بصری مجاہد اور ایک جماعت نے فرمایا کہ پوری امت اس کا مصداق ہے اور اس کی تائید "وکنتم شہداء علی الناس" کے ارشاد سے ہوتی ہے مگر اولین مصداق حضرات صحابہ کرامؓ ہیں، پھر یہ جملہ حال ہے، یعنی خیریت اس حال میں ہے کہ تم لوگ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ایمان کامل کے ساتھ متصف ہو کر انجام دیتے رہو اور پھر اس جگہ آیت مبارکہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ایمان پر مقدم فرمایا ہے، کیونکہ ایمان تو اور امتوں کو بھی حاصل ہوا تھا، اب ان پر فوقیت اور فضیلت کی وجہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں ان سے زیادہ حصہ لینا اور قوی حال والا ہونا "بل المؤثر کونھم

اقویٰ حالاً فی الامر بالمعروف والنهی عن المنکر وانما الایمان شرط للتأثیر" (کذافی البحر المحیط رص۳۱رج۳)۔

"وکذا قال الغزالی ان هذاه الآیة تدل علی فضیلة الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر" لہذا آیت کریمہ سے دعوت وتبلیغ کی اہمیت اور فضیلت واضح ہوتی ہے اور یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اچھائیوں کے حکم کے ساتھ منکرات سے روکنا نہایت ضروری ہے تب ہی اس فضیلت کو حاصل کیا جاسکے گا اور اگر صرف معروف کے اوپر اکتفاء کیا گیا اور برائیوں سے نہیں روکا گیا تو یہ فضیلت حاصل نہ ہوگی، پھر یہ بھی یاد رہے کہ امر کا سب سے بڑا فرد ایمان ہے لہذا جن کے پاس ایمان نہیں ان کو ایمان کی عظمت کے ساتھ دعوت دینا ضروری ہے اور منکرات کا سب سے بڑا فرد کفروشرک ہے، لہذا کفار ومشرکین کو کفروشرک سے روکنا بھی ضروری ہے، اس کے بعد اعمال صالحہ کا مرتبہ ہے، حضرات انبیاءؑ کا طریقہ کار یہی تھا کہ پہلے وہ غیر ایمان والوں کو ایمان کی دعوت دیتے تھے پھر ان کے ایمان لانے کے بعد ان کو اعمال صالحہ سکھاتے اور اس دور کی برائیوں پر شدت سے نکیر کرتے اور ان پر آنے والی مصیبتوں پر صبر کرتے تھے، حضرات انبیاءؑ پر تکالیف کا دور اور اسمیں استقلال وصبر کی ایک طویل تاریخ ہے، بہرحال اعمال صالحہ کہ ان کو زندہ کرنے کی محنت اور اصلاحی کوشش جس سے کہ مسلمانوں کے تمام طبقات میں صحیح دین آجائے اور وہ نماز، صوم، حج، زکوٰۃ اور اخلاقِ حسنہ پر قائم ہوجائیں، ایک طبقہ اس کیلئے بھی رہنا ضروری ہے اور تزکیہ نفوس واخلاق کیلئے صالحین کی صحبت میں وقت گذارنا بھی ضروری ہے۔

الغرض اصل ایمان کی دعوت اور تقویتِ ایمان کی دعوت مع اصلاح اعمال وتزکیۂ اخلاق کی بھی اشد ضرورت ہے اور مسلمانوں کی اصلاحی کوششوں، دعوت وتبلیغ، خانقاہوں اور اصلاحی وعظ و بیان، تقریر و تحریر، درس و تدریس، افتاء و قضاء اور دیگر تمام شعبۂ جات دینیہ کا ایسا مجموعہ جو انبیاء کی صحیح وراثت کہلائی جاسکے ضروری ہے، ارشاد باری تعالیٰ پر غور کیجئے کیا فرمایا "هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ" (سورۂ جمعہ آیت ۲) اللہ وہ ذات اقدس ہے کہ جس نے بھیجا اَن پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور عقلمندی اور اس سے پہلے وہ صریح بھول میں تھے۔

اس آیت کریمہ سے تلاوتِ کتاب اور اس کی محنتیں یعنی مکاتب و مدارس قرآنیہ، تعلیم کتاب، اور اس پر محنتوں کا میدان تزکیۂ نفوس کی محنتیں یعنی خانقاہیں ذکر وفکر، مراقبات، تسبیحات، اوراد یہ سب انبیاء کے کام ہیں اور امت میں یہ سب شعبے جاری ہیں فللہ الحمد۔

سورہ مائدہ رکوع ۱۴، آیت ۶۷ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ" "اے رسول ﷺ آپ پہونچا دیجئے ان باتوں کو جو آپ پر نازل کی گئی ہیں (وحی متلو: یعنی قرآن کریم اور وحی غیر متلو یعنی حدیث شریف) اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپ نے اپنی رسالت کو نہیں پہنچایا۔

فائدہ: ارشادِ خداوندی کی تعمیل میں سرورِ کائنات رحمت العالمین ﷺ نے خدائی احکام کو من وعن امت تک پہنچایا اور اپنے فرضِ منصبی کو کماحقہ ادا کیا۔

چنانچہ آخر حیات میں حجۃ الوداع کے موقع پر جب آپ نے امت کو رخصت فرمایا ہے امت سے معلوم کیا تھا کیا میں نے احکاماتِ الٰہیہ سب کے سب تم تک پہنچا دیئے تو سب نے ایک زبان ہو کر کہا (بلیٰ) کیوں نہیں آپ نے بالکل پہنچا دیئے ہیں، پھر اللہ پاک کو گواہ بنا دیا کہ اے اللہ آپ بھی گواہ رہیں اور آپ کی مخلوق بھی گواہ ہے کہ میں نے تیرا دین مکمل پہنچا دیا، اب اس کی اشاعت وتبلیغ کا کام آپ کے نائبین ووارثین اور خلفاء کا حصہ ہے، جن کے لئے آپ نے رحمت کی دعا فرمائی اور ان کو اپنا خلیفہ قرار دیا اور ارشاد فرمایا

"اللھم ارحم خلفائي قلنا من خلفائك يارسول الله ﷺ قال الذين يروون احاديثي وسنتي ويعلمونها الناس" (المحدث الفاصل رص:۱۶۳، باب فضل الناقل معجم الاوسط حدیث ۵۸۴۶رج:۶ رص:۷۷)۔

اے اللہ میرے خلفاء پر رحم فرمائے، ہم نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے خلفاء کون ہیں؟ فرمایا جو میری احادیث وسنت یاد کر کے دوسروں تک صحیح صحیح پہنچاتے ہیں اور تعلیم دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کے بعد دعوت وتبلیغ کا کام صحیح طور پر علماء، صلحاء، اولیاء اللہ انجام دیں گے، کیونکہ وہی حضرات نبی کریم ﷺ کے خلیفہ اور ان کے نائب ہیں اور وہ اس کام کے شرائط وطریقوں سے پورے واقف ہوتے ہیں۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ ہر دور میں علمائے حقانی، محدثین، فقہاء، صوفیاء نے اس فریضہ کو ادا کیا ہے اور کوئی زمانہ اس سے خالی نہیں گذرا ہے، محدثین کرام نے الفاظ

کی تبلیغ فرمائی اور فقہاء نے معانی ومضامین کی، اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم تک خدا تعالیٰ کی یہ پاکیزہ امانت نہ پہنچتی جو اسلاف کی برکت ہے، اس میں قریب وبعید کے زمانہ کے سب اکابر شامل ہیں۔

باب دوم

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہمیت

احادیث شریفہ اور آثار کی روشنی میں

(۱) حضرت صدیق اکبرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ لوگو! اللہ پاک کا ارشاد جو تم پڑھتے ہو کہ جب تم ہدایت پر ہو گے تو گمراہ ہونے والے کی گمراہی کا تم پر کوئی اثر اور نقصان نہ ہوگا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم لوگوں کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ کرو اور ذاتی طور پر اچھے بن جاؤ، یعنی دوسروں کو اچھا بنانے کی فکر نہ کرو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کسی قوم کے لوگ معاصی میں مبتلا ہو جائیں گے اور ان میں ایسے بھی ہوں گے جو قدرت کے باوجود نہیں روکیں گے تو ان پر عذاب عام واقع ہو جائے گا، پھر دعاء کریں گے تو وہ دعا بھی قبول نہ ہوگی (مشکوۃ شریف رص: ۴۳۸ رباب الامر بالمعروف)۔

امام ترمذیؒ اور دوسرے ائمہ نے اس کو نقل فرمایا ہے اس سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی کس قدر اہمیت ثابت ہوتی ہے اور یہ کہ اس کا ترک عمومی عذاب لانے والا ہے، اللہ پاک حفاظت فرمائے آمین۔

حضرت ابو ثعلبہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بارے میں ایک بار میں نے حضرت نبی کریم ﷺ سے معلوم کیا تو فرمایا کہ تم امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے رہو یہاں تک کہ تم دیکھو کہ لوگ سخت بخل اور خواہشات نفسانیہ، دنیاداری کی تمنا، عجب پسندی

جیسے امراض قبیحہ میں مبتلا ہو گئے ہوں اب وہ نہ سننے کو تیار ہوں گے اور نہ ماننے کو، اس وقت میں اپنی فکر کرو، نہ کہ دوسروں کی، یہ دور فتنوں کا ہے تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنے اتریں گے ایسے حالات میں شریعت پر قائم رہنے والے کے لئے تم میں سے پچاس افراد کے برابر ثواب ہوگا۔

(۲) حدیث میں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر کلام انسان کا اس پر وبال ہوگا، مگر بھلائی کا حکم کرنا اور برائیوں سے روکنا یا ذکر اللہ سے متعلق کلام وگفتگو، امام ترمذیؒ نے اس کو روایت فرمایا ہے۔

عورتوں اور نوجوانوں میں بگاڑ کی وجہ

(۳) فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ پاک چند لوگوں کی برائیوں کی وجہ سے عام انسانوں کو عذاب سے ہلاک نہ کریں گے، جب تک ایسا معاملہ نہ ہو کہ لوگ ان کی برائیوں کو دیکھیں اور منع کرنے پر قدرت رکھنے کے باوجود منع نہ کریں (کذافی کنز العمال)۔

(۴) حضرت امامہ باہلیؓ حضرت نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری حالت اس وقت کیسی ہوگی جب تمہاری عورتیں سرکشی اور شیطانی اعمال میں مبتلا ہو جائیں گی اور تمہارے نوجوانوں میں فسق وفجور پھیل جائے گا اور تم جہاد فی سبیل اللہ ترک کر دو گے، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا واقعی ایسا ہوگا؟ فرمایا! ہاں ایسا ہی ہوگا اور اس سے بھی سخت ہوگا، پوچھا کیسے؟ فرمایا جب امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا چھوڑ دو گے، عرض کیا گیا کیا ایسا بھی ہوگا؟ فرمایا! ہاں ایسا ہی ہوگا اور اس سے بھی سخت ہوگا، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جب تم لوگ

باقاعدہ برائیوں کا حکم کروگے اور اچھائیوں سے روکنے لگو گے، عرض کیا گیا کیا ایسا ہوگا؟ فرمایا! ہاں قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اللہ پاک فرمارہے ہیں تب میں ان پر اپنا فتنہ چھوڑوں گا کہ حلیم وسمجھدار بھی حیران وپریشان ہوجائے گا، علامہ عراقیؒ نے فرمایا کہ اس روایت کو ابن ابی الدنیا نے نقل کیا۔

(باسناد ضعیف کذافی اتحاف السادة المتقین ص/ ۹ ج/۸)

(۵) کنز العمال: ص: ۶۴ رج: ۳ ر پر ہے کہ جس نے اپنی زبان سے کوئی حق بات ثابت کی اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا تو اللہ پاک اس کے لئے اجر وثواب تا قیامت جاری کردیں گے اور روزِ قیامت اس کو پورا اجر وثواب دیا جائے گا۔

(۶) فرمایا گیا کہ جہاد چار قسم کا ہے (۱) معروف کا حکم کرنا (۲) برائیوں سے روکنا (۳) صبر کی جگہوں پر وفا وصدق سے کام لینا (۴) اور فاسق سے عداوت رکھنا اس کے فسق کی وجہ سے نہ کہ اس کی ذات کی وجہ سے۔

(۷) امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا تارک نہ قرآن پر ایمان رکھتا ہے اور نہ مجھ پر، یعنی نبی کریم ﷺ پر (کنز العمال: ص/ ۶۵ ج/ ۳)۔

(۸) اہل معاصی کے ساتھ بغض رکھ کر اللہ پاک کا تقرب حاصل کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ جس سے ان کو برائی کا احساس ہو اور انکو ناراض کر کے اللہ کی رضا حاصل کرو اور ان سے دُور رہ کر قرب خداوندی تلاش کرو (کنزل العمال: ص/ ۶۵ ج/ ۳)۔

(۹) لوگوں پر دو نشے چھا جائیں گے عیش وآرام کا شوق وطلب اور اسکی چاہت اور دوسرے جہالت میں لگے رہنے میں خوش ہونگے اور اس دور میں تم اس فریضہ (امر

بالمعروف ونہی عن المنکر) کوانجام نہیں دوگے، کیونکہ تم کولالچ اورخودغرضی اورمفادذاتی کے حصول نے ماردیا ہوگا، اس وقت میں کتاب اللہ اورسنت رسول اللہ ﷺ کوتھامنے والا سابقین، اولین، مہاجرین وانصار جیسا ہوگا(کنزالعمال: ص/٦٦ج/٣)۔

(۱۰)تم لوگ امر بالمعروف کرواور برائیوں سے روکو ورنہ اللہ پاک اس کی سزا میں بدترین ظالم حاکم مسلط کردیں گے، پھر تمہارے نیک لوگ دعائیں کریں گے مگر قبول نہیں ہوں گی (کنزالعمال ص/٦٦ج/٣)۔

برائیوں کوکس طرح روکا جائے

(۱۱) فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جوشخص تم میں سے برائیوں کو دیکھے اس کو چاہئے کہ ہاتھ سے روکے، اگراس کی قدرت وطاقت نہ ہوتو زبان سے روکے، اگر اس کی بھی طاقت وقدرت نہ ہوتو دل سے براسمجھے اور یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے(رواہ الترمذی، مسلم شریف نمبر ٧٨/مشکوۃ ص: ۴۲۸/کنزالعمال/ص:٦٦/ج:٣)۔

منکر پر نکیر نہ کرنا باعث عذاب ہے

حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ پاک کی قائم کردہ حدود پر قائم رہنے والے اور مداہنت کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسا کہ سمندر میں چند لوگ کشتی میں سوار ہوں بعض اوپر کے درجہ میں اور بعض نیچے کے درجہ میں، پھر نیچے والے لوگ پانی لینے کے لئے اوپر چڑھیں اور وہاں سے اپنی ضرورت کا پانی لاتے ہیں جس سے اوپر والوں کو تکلیف و پریشانی ہونے لگے تب وہ لوگ کہیں اچھا ہم ایسا کریں گے کہ نیچے ہی سوارخ کرلیں گے تاکہ اوپر آنا نہ پڑے اور وہ ان لوگوں کو ایسا کرنے دیں گے تو سب

ہلاک ہوجائیں گے اگر ان کو روک دیں گے تو خود بھی نجات پائیں گے اور وہ بھی نجات پائیں گے اسی طرح معاصی وسیئات میں لگنے والوں کا حال ہے اگر دوسرے لوگ ان کو منع کریں تو نجات سب کی ہوگی ورنہ سب ہلاکت وعذاب کے مستحق بن جائیں گے۔ العیاذ باللہ من سخطہ وعقابہ (مشکوۃ شریف رص:۴۳۹ر باب الامر بالمعروف۔ کنز العمال، ترمذی)۔

(۱۲) (برائی) برائی کرنے والے کے علاوہ کے لئے بھی خطرناک ہے اگر کوئی اس کو ختم کرنے کی کوشش کرے تو یہ بھی آزمائش وامتحان ہے پریشانی اور فتنہ کا موقع ہے اور اگر اس پر غیبت کرے تو گنہگار ہوگا اور راضی ہو تو گویا خود بھی شریک ہوگیا (العیاذ باللہ) (کنز العمال: ص ر۷۰ ج ر۳)۔

(۱۳) حضرت ابوہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے فرمایا کہ جب زمین میں کوئی گناہ کا کام کیا گیا جو اس وقت موجود ہو اور راضی نہ ہو بلکہ نکیر وتردید کرے تو وہ ایسا ہے جیسا کہ وہاں موجود نہ تھا اور جو شخص وہاں موجود بھی نہیں تھا مگر اس سے راضی اور خوش ہو تو ایسا ہے جیسا کہ وہاں موجود تھا یعنی اگرچہ نفس فاعل کی طرح گنہگار نہ ہوگا مگر سکوت علی المعصیت اور رضامندی کا گناہ تو ضرور ہوگا (کنز العمال: ص ر۷۱ ج ر۳)۔

(۱۴) نیز فرمایا گیا ہے کہ قیامت میں اللہ پاک بندوں سے یہ بھی سوال کریں گے تم نے برائی دیکھی تھی پھر بھی تم خاموش تھے تو جب کوئی جواب نہیں بن پڑے گا تو اللہ پاک کی طرف سے خود ہی تلقین ہوگی تو وہ کہے گا کہ اے اللہ پاک مجھے تیری رحمت کی امید تھی اور لوگوں سے ڈر گیا تھا مگر یہ عذر اسوقت قبول ہوگا جب کہ اس نے منکر کی

اصلاح کی فکر وتدبیر کی ہوگی، پھر یہ خطرہ ہوا کہ اگر میں انکو زیادہ شدت سے منع کروں گا تو میری دشمنی اور مخالفت اور نقصان دینے پر اتر آئیں گے تو وہ معذور ہوگا ورنہ نہیں، واللہ اعلم بالصواب (کنز العمال ص ۷۱/ ج ۳)۔

(۱۵) فرمایا حضرت رسول اللہ ﷺ نے تم اپنے بھائی کا آئینہ ہو اگر اس میں کوئی خرابی دیکھو تو اس کو دور کردو یعنی اس کو شفقت سے بتلادو اور سمجھادو کہ یہ غلط ہے اس کے کرنے سے تمہارا نقصان اور خسارہ ہے (کنز العمال ص ۷۲/ ج ۳)۔

(۱۶) حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں سے ایسے بھی لوگ ہوں گے جن کو پہلے حضرات جیسا اجروثواب ملے گا یہ وہ لوگ ہوں گے جو منکر پر نکیر کرتے تھے (کنز العمال ص ۷۲/ ج ۳)۔

(۱۷) اچھائی کا حکم کرنے والا خود کرنے والے کی طرح ثواب کا مستحق ہے۔

(کنز العمال ص ۷۳/ ج ۳)

(۱۸) فرمایا حضرت رسول اللہ ﷺ نے کیا میں تم کو خبر دار نہ کروں ایسے افراد کے بارے میں جو نہ نبی ہیں اور نہ شہید مگر قیامت کے دن حضرات انبیاء (علیہم الصلاۃ والسلام) وشہداء ان پر غبطہ (رشک) کریں گے کیونکہ وہ نور کے ممبر پر ہونگے اور پہچانے جائیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے بندوں کو اللہ کا محبوب بناتے تھے اور اللہ پاک کو بندوں کا محبوب بناتے تھے، یعنی ان کے دلوں میں اللہ کی محبت پیدا کرتے تھے، زمین میں چلتے تھے خیر خواہ ناصح بن کر، عرض کیا گیا کہ اللہ پاک کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کا محبوب و پیارا کیسے بناتے تھے؟ فرمایا کہ ان کو اچھی باتوں کا حکم

کرتے تھے جو اللہ پاک کو پسند تھیں اور ایسی باتوں سے روکتے تھے جو اللہ پاک کو پسند نہیں تھیں، لہٰذا جب وہ فرمان الٰہی کے مطابق عمل کریں گے تو اللہ پاک ان سے محبت کریں گے (کنز العمال ص ۷۵/ ج ۳)۔

(۱۹) فرمایا رسول کریم ﷺ نے تم لوگوں کی ہیبت وخوف حق بات کہنے سے باز نہ رکھے جب وہ حق جان لیں یا حق سن لیں تو ضرور اس کا اظہار واعلان کریں بلا خوف اور ڈر کے۔

(۲۰) فرمایا نبی کریم ﷺ نے جب میری امت میں معاصی پھیل جائے گی تو ان پر عمومی عذاب نازل ہوگا جس کی صورتیں مختلف ہوں گی عرض کیا گیا ان میں اچھے بھی ہوں گے فرمایا ٹھیک ہے مگر عذاب وعقاب ان کو بھی گرفتار کریگا (دنیا میں) پھر ان کا انجام قیامت میں درست ہو جائے گا ان کے اعمال صالحہ کی وجہ سے مغفرت و رضوان باری تعالیٰ ان کو مل جائے گی یعنی ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کے ترک پر عذاب دنیا میں گرفتار ہوں گے مگر اعمال صالحہ کی وجہ سے قیامت میں بچ جائیں گے (کنز العمال ص ۸۷/ ج ۳)۔

(۲۱) نیز فرمایا آقائے نامدار رسول اللہ ﷺ نے وہ قوم بُری قوم ہے جو انصاف اور حق بات لے کر نہ اٹھے اور وہ قوم بھی بُری قوم ہے جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہ کرے، یعنی برائیوں کو دیکھ کر خاموشی اختیار کرلے اور ان کی اصلاح کی کوشش نہ کرے۔

(۲۲) نیز فرمایا آقائے نامدار رسول کریم ﷺ نے میری امت میں کچھ لوگ

اپنی قبروں میں سے بندر اور خنزیر کی صورتوں میں اٹھیں گے، اس وجہ سے کہ معاصی میں لگنے والوں کو روکتے نہیں تھے اور مداہنت سے کام لیتے تھے، حالانکہ اس پر قدرت رکھتے تھے (العیاذ باللہ) کس قدر سخت وعید ہے جس کو سن کر اور پڑھ کر لرزہ طاری ہوتا ہے (کنزالعمال ص ۸۳ / ج ۳)۔

ان سب ارشادات کے ہوتے ہوئے پھر منکرات کی اصلاح ان پر نکیر وانکار سے گریز کرنا صرف امر بالمعروف پر اکتفاء کرنا کیسے مناسب ہوسکتا ہے؟ جبکہ آیات میں جہاں امر بالمعروف کا تذکرہ ہے وہیں ساتھ ساتھ نہی عن المنکر کا تذکرہ بھی ہوا ہے۔

(۲۳) اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ. اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ نیز سورہ نحل: پ ۱۴۔

اپنے رب کے راستہ کی طرف بلائیے حکمت اور نرم نصیحت کے ساتھ اور ان سے بوقت ضرورت مجادلہ ومناظرہ بھی فرماتے رہئے مگر اچھے انداز وطریقے سے بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ کون گمراہ ہے سیدھے راستہ سے اور وہی زیادہ جاننے والے ہیں ہدایت یافتہ لوگوں کو، اس آیت پاک میں دعوت الی سبیل رب کے دو طریقے تلقین فرمائے گئے ہیں۔

(۲۴) حکمت ومصلحت دیکھ کر دعوت دینا، اچھے ومناسب الفاظ میں، اچھے مناسب طرز کے ساتھ جس سے مخاطب کے ضمیر پر اثر واقع ہو اور کہا گیا ہے کہ قرآنی مواعظ کے ساتھ دعوت دینا مراد ہے، معارف القرآن ادریسی: ص ۲۷۰ میں لکھتے

ہیں: محکم دلائل کے ساتھ دعوت دینا یہ دعوت بالحکمت ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے محکم دلائل سے شمس وقمر اور ستاروں کی اُلوہیت کو باطل کیا اور خداوند قدوس کا معبود برحق ہونا ثابت فرمایا ہے۔

(۲۵) دوسری قسم وہ نصیحت ہے جو کہ نرمی اور دلسوزی کے ساتھ ہو جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر کو دعوتِ توحید دی جس کو قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا۔

يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَالَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَ لَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا

(سورہ مریم آیت ۴۲) اے میرے اباجان آپ ایسی چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں اور نہ دیکھتی ہیں اور نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔

دعوت وتبلیغ کی ضرورت وافادیت

قال تعالیٰ: فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا أُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّأَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ (سورہ ہود پ ۱۲ آیت ۱۱۷)۔

”سو ایسے کیوں نہ ہوئے تم سے پہلے گزرے لوگوں میں اچھے اثر والے لوگ کہ منع کرتے، روکتے ملک میں فساد و بگاڑ کرنے سے، مگر تھوڑے لوگ ان میں سے، جن کو ہم نے بچالیا تھا اور پیچھے لگے رہے ظالم لوگ، اس راہ کے جس میں عیش و آرام سے گذارا کرتے تھے، حالانکہ وہ گنہگار تھے اور اللہ پاک ایسا ہرگز نہیں کر سکتے کہ خواہ مخواہ کسی بستی کو ہلاک کر دیں جس کے رہنے والے اچھے افراد ہو۔

فائدہ: امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے بیان کر دیا کہ انہوں نے ترک امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی وجہ سے سب کو ہلاک کر دیا مگر تھوڑے آدمی، جو لوگوں کو بری باتوں سے روکتے تھے، مطلب یہ ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے والے بکثرت ہونے چاہئیں۔

واضح رہے کہ گذشتہ قومیں اس لئے تباہ ہو گئیں کہ عام طور پر لوگ عیش وعشرت کے نشہ میں چور ہو کر جرائم کا ارتکاب کرتے رہے اور بڑے بااثر آدمی جن میں کوئی اثر خیر کا باقی تھا انہوں نے منع کرنا چھوڑ دیا تھا، اس لئے صحیح حدیث میں ہے کہ جب ظالم کا ہاتھ پکڑ کر ظلم کرنے سے نہیں روکا جائے گا اور لوگ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ترک کر دیں گے تو قریب ہے کہ اللہ پاک ایسا عام عذاب بھیجیں جو کسی کو نہ چھوڑے، العیاذ باللہ۔

گزشتہ امتیں اسلئے ہلاک ہوئیں ہیں کہ ان میں اہلِ بصیرت نہ تھے جو زمین میں فساد کرنے سے روکتے، ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ پچھلی امتوں کی ہلاکت کا سبب یہ ہوا کہ ان میں ایسے سمجھدار، بصیرت والے حضرات کیوں نہ ہوئے جو زمین میں فساد کرنے سے روکتے، ہاں ان میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو فساد سے روکنے کے کام میں لگے، انہیں ہم نے نجات دے دی، یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ لولا اپنے اصلی معنی میں ہو اور بعض حضرات نے فرمایا کہ لولا نفی کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں ایسے اہل رائے اور اہل فہم نہ تھے جو لوگوں کو زمین میں فساد کرنے سے روکتے، ان میں صرف تھوڑے سے لوگ تھے جنہوں نے یہ کام کیا، ادھر تو نہی عن المنکر کرنے والوں کا فقدان اور ادھر مال والوں کے پاس مال کی فراوانی، ان لوگوں نے ظلم

کی راہ اختیار کی یعنی کفر اختیار کیا اور اپنی مستیوں، لذتوں میں پڑے رہے اور جرم کا ارتکاب کرتے رہے لہذا ان کو ہلاک کر دیا گیا، بس چند ہی لوگوں نے نجات پائی، یہ لوگ ایمان پر اور ایمانی تقاضوں پر قائم تھے، منکرات سے بچتے تھے اور دوسروں کو بھی برائیوں سے روکتے تھے، اس میں اس امت حاضرہ کو تنبیہ ہے کہ کفر کو چھوڑیں اور عیش وعشرت کے پیچھے نہ لگیں اور قوموں کے ذمہ داروں کو بھی تنبیہ ہے کہ وہ اپنی سمجھ اور بصیرت کو کام میں لائیں اور لوگوں کو زمین میں فساد کرنے سے روکیں۔

علامہ قرطبی تفسیر ص ۱۱۳ ج ۹ میں لکھتے ہیں: اولو ابقية اى اصحاب طاعة ودين وعقل وبصرٍ ينهون قومهم عن الفساد في الارض لما اعطاهم الله تعالى من المعقول واراهم من الايات وهذا توبيخ لكفار وقيل لولا ههنا للنفي اى ماكان من قبلكم پھر فرمایا: وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ (سورۂ ہود آیت ۱۱۷) یعنی آپ کا رب ایسا نہیں ہے کہ لوگوں پر ظلم کرے وہ جو عذاب دیتا ہے اور ہلاک کرتا ہے، اس کا سبب کفر اور شرک ہوتا ہے اور کبھی معاصی بھی ہوتی ہے، ان معاصی میں سے یہ بھی ہے کہ جو لوگ گناہوں میں مبتلا ہوں قدرت ہوتے ہوئے انہیں نہ روکا جائے، جب لوگ اصلاح کے کام میں لگے ہوئے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب نہیں آیگا ورنہ عذاب میں مبتلا ہوں گے، حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس کسی بھی قوم میں کوئی ایسا شخص ہو جو انمیں رہتے ہوئے گناہوں میں مبتلا ہو اور وہ قدرت ہوتے ہوئے اس کی حالت کو نہ

بدلیں تو مرنے سے پہلے اللہ ان پر عذاب بھیجے گا (رواہ ابوداؤد ص ۲۴۰ ج ۲)۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی قوم میں گناہ کئے جاتے ہوں پھر وہ قدرت ہوتے ہوئے گناہگاروں کی حالت نہ بدلیں تو اللہ تعالیٰ ان سب پر عام عذاب مسلط فرمائیں گے (رواہ ابوداؤد ص ۲۴۰ ج ۲)

آیت کا معنیٰ اور مفہوم بتانے میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں، احقر نے جو مطلب ترجمہ وتفسیر میں اختیار کیا ہے وہ اقرب الی الفہم ہے۔

اس کے بعد فرمایا: وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً (سورۂ ہود آیت ۱۸) مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت بنادیتا اور سب ایک ہی دین پر ہوتے، دنیا میں اسلام ہی اسلام ہوتا اور سب تکوینی طور پر قہراً وجبراً مسلمان ہوجاتے، لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ تقاضا ہوا کہ حق اور باطل دونوں راستے بیان کردیئے جائیں اور جسے ایمان قبول کرنا ہو وہ اپنے اختیار سے قبول کرے اور جسے کفر پر رہنا ہو وہ اپنے اختیار سے کفر پر رہے، جیسا کہ سورۂ کہف (آیت ۲۹) میں فرمایا: وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا" اور آپ فرمادیجئے کہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے، بیشک ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کی ہے، پس جب حق قبول کرنے پر جبر نہیں کیا بااختیار بنادیا تو شیاطین کی کوششوں اور نفوس انسانیت کے تقاضوں پر چلنے والے کافر رہیں گے اور اس طرح سے اہل حق اور اہل باطل میں ہمیشہ اختلاف رہے گا، ہاں جس پر اللہ کی مہربانی ہو وہ حق ہی کو اختیار کرے گا اور حق

ہی پر رہے گا،، وذٰلک خلقھم (سورۂ انعام آیت ۱۱۶)’’ اور لوگوں کو اسی لئے پیدا فرمایا کہ وہ مختلف رہیں) اور اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک فریق جنت میں ایک فریق دوزخ میں ہوگا، جیسا کہ سورۂ شوریٰ آیت ۷ رمیں فرمایا: فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَفَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ ’’ ایک فریق جنت میں اور ایک فریق دوزخ میں ہوگا‘ آخر میں فرمایا: وَتَمَّتْ کَلِمَةُ رَبِّکَ (سورۂ انعام آیت ۱۱۶)’’ اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہوگی کہ میں جہنم کو جنات سے اور انسانوں سے بھردوں گا جس میں سب دوزخی موجود ہوں گے‘‘ اس آیت کا مفہوم وہی ہے جو سورۂ الٓمٓ سجدہ میں فرمایا ہے: وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ ھُدٰھَا وَلٰکِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (سورۂ سجدہ آیت ۱۳)’’ اور اگر ہم چاہتے تو ہر جان کو ہدایت دے دیتے، لیکن میرا یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ میں دوزخ کو جنات اور انسانوں سے بھردوں گا جو اس میں اکھٹے موجود ہوں گے‘‘ جب یہ فیصلہ ہے تو اہلِ کفر کا وجود بھی تکوینی طور پر ضروری ہے، کفر والے انسانوں میں سے بھی ہونگے اور جنات میں سے بھی ہونگے، دونوں جماعتوں کے کافروں سے جہنم کو بھر دیا جائے گا، جیسا کہ سورۂ اعراف میں اور سورۂ صٓ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو خطاب کرکے فرمایا کہ لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنْکَ وَمِمَّنْ تَبِعَکَ مِنْھُمْ اَجْمَعِیْنَ (سورۂ ہود آیت ۱۱۹)’’ میں تجھ سے اور ان سب جنات اور انسانوں سے دوزخ کو بھر دونگا جو تیرا اتباع کریں گے‘‘۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ والدین اور عزیز واقرباء کے حق میں یہی عمل امر بالمعروف ہے، نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَاخَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰھُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ

بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْاِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا (پ۵ررکوع۱۴رآیت۱۱۴) ’’بہت سے لوگوں کی سرگوشیوں میں خیر نہیں ہوتی مگران کی جو ایسے ہیں کہ خیرات کی یا اور کسی نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کردینے کی ترغیب دیتے ہیں اور جو شخص یہ کام کرے گا حق تعالیٰ کی رضاجوئی کے واسطے، سوہم اس کو عنقریب اجر عظیم عطافرمائیں گے۔

فائدہ: حضرت امام غزالیؒ نے فرمایا کہ آیت شریفہ میں لوگوں کے مابین صلح کرانے کے معنی یہ ہیں کہ انہیں سرکشی اور بغاوت سے روک دیا جائے اوراطاعت کی طرف واپس لایا جائے، اگروہ حق کی طرف رجوع کرنے سے انکار کردیں اوراپنی سرکشی وبغاوت پر بدستور قائم رہیں توان سے قتال کیا جائے، جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے:

فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ (پ۲۶ررکوع۱۳رآیت۹)۔

اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف لوٹ جائیں۔

ایسے ہی اللہ پاک ارشادفرماتے ہیں: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِالْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ (سورنساء آیت ۱۳۵) اے ایمان والو کھڑے ہوجاؤ انصاف وحق کی بات لیکر، اللہ کیلئے گواہ بن کر ،چاہے تمہارے خود کے خلاف ہو یا تمہارے ماں باپ کے، یا تمہارے رشتہ داروں کے۔

فائدہ: امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ یہ تبھی ہوگا جو آیت میں مذکور ہوا جب امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو اختیار کیا جائے گا، ان سب آیات سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا وجوب ثابت ہوتا ہے (کذافی اتحاف السادۃ المتقین شرح احیاء العلوم

رص ۶ رج ۷) لیکن اس کیلئے کوئی ایک خاص طریقہ شرعاً متعین نہیں ہے، وہ حالات، ماحول، موقع ومحل کے اعتبار سے طے کیا جائے، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (سورۂ حج آیت۴۱) ''وہ لوگ کہ اگر ہم انکو قدرت دیں ملک میں، تو وہ قائم رکھیں نماز اور زکوۃ دیں اور بھلے کام کا حکم کریں اور برائی سے منع کریں اور اللہ کے اختیار میں ہے آخر ہر کام کا'' اس آیت کریمہ سے بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ثبوت بین طریقہ سے ملتا ہے۔

نیز اُوپر مذکورہ تمام آیات وروایات سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ مدارسِ اسلامیہ کے ذمہ داران حضرات، منتظمین واساتذہ کرام جو دین اسلام کی نشرواشاعت میں مشغول ہیں، انکے لئے ان آیات وروایات میں بڑی عبرت ہے، لہذا ان تمام حضرات علماء کرام کو چاہئے کہ وہ اپنے ماتحت آنے والے مہمانان رسول ﷺ ''طلبۂ عزیز'' کی اصلاح وتربیت کرنے میں کسی طرح کی کوئی کوتاہی وغفلت نہ برتیں، اگر کسی طالب علم کو کوئی منکر کام کرتے دیکھا جائے اور عملہ کا کوئی بھی شخص اسکو اس نامناسب حرکت ومنکر کام (مثلاً نماز، اسباق میں کاہلی وسستی کرنے، ڈاڑھی کٹوانے، پائجامہ ٹخنوں سے نیچے رکھنے، سر پر فیشنی بال رکھنے، فلم بینی اور موجودہ دور میں ملٹی میڈیا موبائل میں بہت سی خرافات، وغیرہ کے دیکھنے نیز دیگر شر وفساد میں مشارکت وغیرہ) سے منع نہ کرے تو یقیناً وہ لوگ جو عینی شاہدین ہوں اور پھر بھی ان سب کچھ خرافات کے ہوتے ہوئے انکو منع نہ کریں تو ضرور عنداللہ ماخوذ ہوں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمکو اپنی تمام تر

ذمہ داریوں کو سمجھنے کی توفیق مرحمت فرمائے، اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر جیسے اہم ترین فریضہ کو سمجھنے اور اختیار کرنے کی توفیق دائمی نصیب فرمائے، آمین یارب العالمین۔

دعوت وتبلیغ کے انواع واقسام

قرآن وسنت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت وتبلیغ کی اولاً دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ خطاب، وعظ وبیان کے ذریعہ سے لوگوں کو حق کی طرف بلانا اور برائیوں سے روکنا، دوسرے کتاب، رسالہ، تحریر، خط کے ذریعہ سے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے دونوں قسموں کا تذکرہ فرمایا ہے: حضرت نوح علیہ السلام، حضرت شعیبؑ، حضرت صالحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت لوطؑ، حضرت ابراہیمؑ وغیرہم کے واقعات میں مذکور ہوا ہے کہ ان انبیاءؑ نے اپنی قوموں کو وعظ، بیان، خطاب سے، وحدانیت، رسالت، بعثت بعد الموت، حشر ونشر، جنت وجہنم، ثواب وعقاب کو سمجھایا، حضرت نبی کریم ﷺ نے ان انبیاء کرامؑ کی اتباع میں جس کا آپ کو حکم تھا کبھی کوہ صفا پر کبھی عکاظ کے بازار میں، کبھی حج کے موسم میں، کبھی طائف کے میدان میں، کبھی مکہ معظمہ کی وادیوں میں، کبھی انفراداً کبھی اجتماعاً دعوت دی، بشارت بھی سنائی اور ڈرایا بھی، دین کے امور مہمہ، مقاصد عالیہ سمجھاتے، پھر اخلاق، عبادات، ایمانیات اور تمام امور کی وضاحت فرمائی، یعنی احکامات وشرائع سکھائے۔

حضرات انبیاءؑ کی دعوت اولاً وحدانیت ورسالت کا اثبات پھر مبداء ومعاد، جیسے عقائد کا سمجھانا تھا، چنانچہ قرآن کریم نے بتلایا کہ ہر نبی نے سب سے پہلے اللہ پاک کی وحدانیت کو ثابت کیا اور اس کے لئے ظاہری دلائل، مجادلات ومناظرے بھی

کئے، جیسا کہ حضرت نوحؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت ابراہیمؑ کے واقعات میں مذکور ہوا ہے، اس کے بعد عبادات واخلاق کو سمجھایا اور ساتھ ساتھ منکرات ومناہی سے بچنے پر ابھارا، جب اس پہلو پر زور دیا تو لوگ ان کے مخالف ہو گئے، دعوت وتبلیغ کا یہی پہلو صبر آزما ہے اور مصائب وآلام کا سبب ہے، اقوام وملل کی مخالفت کا زیادہ ظہور یہیں ہوتا ہے، جب ان کو برائیوں سے روکا جاتا ہے جو ان کے ماحول، ان کے معاشرہ اور خاندانوں میں پائی جاتی ہیں۔

اس طرح بزرگان دین، اسلاف امت پر جو مصائب وشدائد آئے خواہ وہ اپنوں کی طرف سے آئے یا اغیار کی طرف سے اسی پہلو پر عمل کرنے کی وجہ سے آئے، حضرت خواجہ معصوم سرہندیؒ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادے جو باپ کے نقش قدم پر تھے، اللہ پاک ان دونوں بزرگوں مجدد الف ثانیؒ اور خواجہ معصومؒ کی قبروں کو نور سے بھر دے، ہندوستان کے مسلمانوں پر ان کے بڑے احسانات ہیں، شاہ اکبر نے جب دین الٰہی کے ختم ومنسوخ ہونے کا اعلان کر دیا اور کہا کہ اب دین اکبری چلے گا (العیاذ باللہ سبعین مرۃ) تو اس وقت حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد سرہندیؒ اور ان کے صاحبزادوں اور خلفاء نے ہندوستان کے مسلمانوں کو بچایا اور شاہ اکبر سے ٹکر لی، اگر وہ اس وقت دعوت وتبلیغ کا تجدیدی کارنامہ انجام نہ دیتے تو معلوم نہیں آج ہم کہاں ہوتے، بہرحال خواجہ معصومؒ فرماتے ہیں: معروف پر عمل کرنا تو آسان ہے مگر منکرات (برائیوں) سے بچنا اور ان سے روکنا مشکل کام ہے۔

حضرات انبیاءؑ، صحابۂ کرامؓ، اولیاء عظام کی جو مخالفت کی گئی ہے اور ان پر جو

لعن طعن کیا گیا ہے اور کیسی کیسی اذیتیں اور مصیبتیں پہونچائی گئیں وہ سب منکرات ہی سے روکنے کی وجہ سے تھیں، کیونکہ انہوں نے کفر وشرک اور رسوم وبدعات سے روکا تو لوگ ان کے مخالف ہوگئے، اسلئے جب تک اس پہلو پر خاص طور سے ہمارے مبلغین توجہ نہیں کریں گے اور بلا خوف ماحول اور بلا خوف لومۃ لائم حق کا حکمت سے اظہار نہیں کریں گے فریضہ تبلیغ مکمل طور پر ادا نہیں ہوگا۔

الحمد للہ طائفہ منصورہ علماء ربانیین نے دونوں پہلوؤں سے فریضۂ دعوت وتبلیغ ادا کیا ہے، پھر انبیاءؑ کی دعوت غیر مسلموں کو اسلام وایمان پر لانے کی محنت وکوشش تھی اور جب انمیں ایمان واسلام آگیا تو اب احکامات ومسائل وغیرہ سکھلاتے رہے کہ احکامات وجزئیات کا مکلّف اس وقت تک نہیں بنے گا جب تک کہ کلیات دین، ایمان باللہ، ایمان بالرسول، ایمان بالکتاب، ایمان بالیوم الآخرہ وغیرہ کو تسلیم نہیں کرے گا، اسلئے دعوت وتبلیغ کا اصل محور وبنیاد دو چیزیں ہونگی۔

(۱) غیر مسلموں کو ہدایت پر لانا (۲) اسلام میں آئے ہوئے لوگوں کو سنبھالنا، اب اس تناظر میں دیکھئے گا کہ فقط اسلام وایمان میں آئے ہوئے لوگوں پر دینی پختگی وسلامتی پر لانے کے لئے محنت کرنا بلاشبہ دعوت وتبلیغ کا اہم جز ہے، مگر کل دعوت وتبلیغ بس اس کو تصور کر لینا اور پہلے جز کو جو کہ اصل الاصول اور بنیاد اصلی ہے یہ کہہ کر ترک کردینا کہ پہلے اپنے ہی صحیح ہوجائیں پھر غیروں میں تبلیغ ہوگی، قابل غور وفکر پہلو ہے، سارے مسلمان سو فیصدی اسلام کی تعلیمات پر قیامت سے پہلے آجائیں بظاہر مشکل ہے الا ماشاءاللہ، نہ وہ سارے کے سارے اچھے ہوں گے نہ ہم اصل فریضہ تبلیغ سے سبکدوش

ہونگے ، ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ جن حضرات کے سالہا سال اس مبارک کام میں لگ چکے ہیں ان کو علماء کے ساتھ ملا کر قرب وجوار کے غیر مسلم بھائیوں میں کام کا طریقہ سکھایا جائے تا کہ اپنے ایمان کا حال بھی معلوم ہو جائے کہ کتنا پختہ اور مضبوط ہوا ہے، کیونکہ دعوت دینے سے ایمان پختہ اور مضبوط ہوتا ہے، اس سے زیادہ پختگی بھی آئے گی اور دعوت کا دائرہ بھی وسیع ہوگا اور غیروں کو محاسنِ اسلام سے واقفیت بھی ہوگی اور ایمان کا فیض عام وتام بھی ہوگا کیونکہ اللہ پاک رب العالمین ہیں صرف رب المسلمین ہی نہیں ہیں اور رسول اللہ ﷺ رحمت للعالمین ہیں صرف رحمت للمسلمین ہی نہیں ہیں اور قرآن کریم ہدی للعالمین اور ہدی للناس ہے، فقط ہدی للمسلمین نہیں بلکہ یہ سب کی امانت ہے اس کو اپنے لوگوں اور غیروں سب کو عام کرنے کی ضرورت ہے، اس ضرورت کو ارباب مدارس، خانقاہ، دعوت وتبلیغ، اور اغنیاء وامراء مسلم سلاطین سب کو محسوس کرنا چاہئے تب ہی ہم عند اللہ کامیاب ہونگے اور دعوت وتبلیغ کی اس عمومیت کو مخالفت تصور کرنا دعوت وتبلیغ کے وسیع اور عام مفہوم کو محدود کرنا ہے، جس طرح خصوصی دعوت وتبلیغ ، مدارس، مراکز، خانقاہوں کے ذریعہ ہو رہی ہے، انہیں حضرات کو آگے قدم بڑھانا چاہئے اور اس کے لئے بھی غور وفکر کرنا چاہئے اور اس راہ میں آنے والی مشکلات کا سامنا کر کے انبیاءؑ کے اصل کام میں لگنا چاہیے تا کہ ان کی نیابت کا کچھ حق ادا ہو سکے، اگر نبی کریم ﷺ بھی یہی سوچتے کہ جو حضرات مکہ ومدینہ میں اسلام لا چکے ہیں بس زندگی بھر انہی لوگوں پر محنت کرتا رہوں اور دوسرے دور وقریب کے علاقوں میں مبلغ، معلم، مجاہدین کو نہ بھیجوں اور نہ خود جاؤں تو کیا ہم ہندوستان جیسے دور دراز ملکوں میں اس عظیم ہدایت اور نور الٰہی اسلام سے

مشرف ہوتے؟۔

اللہ پاک جزائے خیر عطا فرمائے ان تابعین کو جو جہاں تجارت یا جہاد کے ذریعہ پہونچے، یا وہ صوفیاء کرام حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اور حضرت بختیار کاکی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃً جیسے اکابر جو جہاں آئے اور انہوں نے اخلاق وکرامات وغیرہ کے ذریعہ اس نور الٰہی کو عام وتام کردیا، تو کیا ہم پر یہ فرض نہیں ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کے پاس جائیں، جو ہماری بستیوں میں یا کاروبار میں بازاروں وغیرہ میں ہمارے ساتھ رہتے ہیں، مناسب انداز سے ان کو دین پہونچائیں؟ کیا مذکورہ خیال اس فریضہ کو ٹالنے کیلئے معقول عذر ہے؟ الحمدللہ علماء کرام نے اس فرض کو محسوس کیا اور یہ کہ دعوت وتبلیغ کا یہ پہلو دعوت الی الاسلام والایمان جو ضروری ہے اس پر کام شروع کیا اور کامیاب ہوئے ہیں اور لگ رہے ہیں، کتابیں بھی لکھتے ہیں جا جا کر گفتگو بھی کرتے ہیں، اللہ پاک قبول فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے، اس طرح گویا دعوت بالخطاب اور دعوت بالکتاب جو حضرت سلیمانؑ کے واقعہ میں ہے اور حضرت نبی کریم ﷺ نے شاہان عالم امراء، وزراء اور لیڈروں کے نام جو خطوط لکھوائے ہیں جن کی تعداد ۲۳۲ ؍ بتائی جاتی ہے، ان سب میں غیر مسلم لوگوں کو اسلام کی کھلی دعوت تھی جنہوں نے قبول کرلیا وہ کامیاب رہے، جیسے نجاشی شاہ حبشہ جن کی اللہ پاک نے تعریف کی ہے اور جنہوں نے والا نامہ شریف کے ساتھ گستاخی کی پھاڑ دیا اللہ پاک نے ان کو بھی ہلاک وبرباد کرڈالا جیسے شاہِ فارس کسریٰ وغیرہ۔

پھر کبھی خطاب عام ہوتا ہے اور کبھی خطاب خاص ہوتا ہے، عام خطاب میں

ذمہ داری زیادہ ہوتی ہے، اس لئے محقق علماء کرام حضرت تھانویؒ جیسے اکابر کی رائے میں عام آدمی جس نے کتاب وسنت کا باقاعدہ علم حاصل نہ کیا ہو اور نہ تحصیلِ علم میں مجاہدہ برداشت کیا ہو، اس لائق نہیں کہ عام مجمع میں بیان کرے، اسلئے کہ ضرور افراط وتفریط کرے گا، اعتدال سے بات نہیں کرسکتا، آیات کے معانی احادیثِ شریف کے مضامین غلط بیان کردے گا، بلکہ سنی سنائی باتیں جن کی کوئی سند اور دلیل نہیں ہوتی، بزرگوں سے سنا بڑوں سے سنا کہہ کر نقل کردے گا اس سے دین کی غلط ترجمانی ہوگی آیات اور روایات کا صحیح مفہوم ادا نہ ہوگا جو ایک جرم ہے، پہلے زمانہ کے اکابر منبر و محراب پر آنے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے جب تک اپنے مشائخ کی خدمت میں رہکر سالہا سال تک اصلاح نہ کرالیتے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ۲۵ رسال مشائخ کی صحبت برداشت کی اور مجاہدات فرمائے تب اصلاح کیلئے باہر تشریف لائے اور منبر پر بیٹھنے کے وقت حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اس بارے میں بڑے محتاط تھے، کیونکہ ان کو اس جگہ بیٹھ کر نیابتِ رسول کریم ﷺ کا خیال رہتا تھا اور وہ اس کی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے تھے، آج کل کی طرح کھیل نہیں سمجھتے تھے، دعا کرتے تھے۔

پھر خاص طور پر علماء کی موجودگی میں تو یہ ایک غلط جسارت ہے جو اپنے کو منبر و کرسی کے لائق سمجھنے سے پیدا ہوتی ہے، حضرت شیخ احمد رفاعی کبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مسند ارشاد پر آنے کے لئے پہلے اپنی اصلاح مرشدِ کامل سے کرالو اور پھر امت کے امراض اور انکے علاج کیلئے قدم رکھو ورنہ تم کوڑی (گندگی) پر بیٹھ جاؤ یہ

بہتر ہے مسند ارشاد پر بیٹھنے سے کہ مسند ارشاد کی توہین ہے۔

دعوت وتبلیغ کا درجہ

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے فرمایا کہ اچھائیوں کا حکم کرنا اور برائیوں سے روکنا شرعاً واجب وضروری ہے اس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے: قوله تعالیٰ: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (سورۂ آل عمران آیت ۱۰۴)۔

ترجمہ: اور چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو خیر کی طرف بلائے اچھی باتوں کا حکم کرے اور برائیوں سے روکے اور ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔

فائدہ: حجۃ الاسلام امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیتِ پاک میں "وَلْتَكُنْ" امر کا صیغہ ہے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے اور پھر اس میں بتلا دیا گیا کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر پر فلاح موقوف ہے اور فلاح نام ہے سعادت دارین کا یعنی آخرت میں نجات، مغفرت، رضاء باری تعالیٰ، بقاء بلا فناء، عزت بلا ذلت، غناء بلا فقر اور علم بلا جہل شامل ہیں اور دارِ دنیا میں امن وامان، سلامتی جو اسلام کے نظام کے تحقق ونفاذ سے وابستہ ہے جس سے سارے عالم کی صلاح وفلاح ہے، نیز آیت کریمہ اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ یہ کام فرض کفایہ ہے جب اس کو کوئی ایک فرد یا جماعت کرے گی تو دوسرے لوگوں سے اس کا وجوب ساقط ہو جائے گا مگر فلاح ان ہی کے ساتھ خاص ہوگی جو کرنے والے ہیں لیکن اگر کوئی نہیں کرے گا تو عذاب سب پر آئے گا کیونکہ اس پر قادر تھے پھر بھی نہیں کرتے تھے (کذا فی اتحاف السادۃ المتقین ج ص ۷ ج ۷)۔

تفسیر طنطاوی رص:۱۴۰ارج ۲رمیں لکھتے ہیں کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے اوراس کے لئے خاص شرائط کی ضرورت ہے جس کا تذکرہ مستقل باب میں آرہاہے،قال تعالیٰ: لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَّتْلُوْنَ آيَاتِ اللّٰهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَاُولٰئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (سورہ آل عمران آیت ۱۱۳)۔

ترجمہ: اہل کتاب میں سب برابر نہیں ہیں بلکہ ایک جماعت اچھے افراد کی ایسی بھی ہے جو رات کے اوقات میں کھڑی ہوکر آیات اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نمازوں میں مشغول رہتے ہیں، اللہ پاک پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، اچھی باتوں کا حکم کرتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور نیک کاموں میں دوڑتے ہیں ایسے لوگ نیک لوگوں میں سے ہیں۔

فائدہ: احیاء العلوم کی شرح اتحاف السادۃ المتقین میں لکھتے ہیں کہ اللہ پاک نے جو ایسے لوگوں کو صلاح سے مشرف فرمایا ہے وہ صرف اللہ پاک اور قیامت پر ایمان کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے ساتھ امر بالمعروف نہی عن المنکر کی وجہ سے ارشاد خداوندی ہے: وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ (سورہ توبہ آیت ۷۱)۔

ترجمہ: ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے خیرخواہ ہیں جو آپس میں اچھائیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں۔

فائدہ: امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جو امر بالمعروف نہی عن المنکر چھوڑے گا وہ اس سے خارج ہوجائے گا جس کی اس آیت کریمہ میں تعریف فرمائی گئی ہے (کذافی اتحاف ص ۱۳ ج ۷)۔

قال تعالیٰ: لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا مِنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (سورۂ مائدہ آیت ۷۸)۔

ترجمہ: اللہ پاک فرماتے ہیں لعنت کردی گئی بنی اسرائیل کے ان لوگوں پر جنہوں نے احکامات کا انکار کیا (اعتقاداً یا عملاً) حضرت داؤد وعیسیٰ علیہما السلام کی زبانی اور یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ گناہ میں مبتلاء ہوگئے تھے اور حدود سے تجاوز کر گئے تھے اور ان برائیوں سے روکتے نہیں تھے جو یہ کیا کرتے تھے حالانکہ ان کے یہ اعمال برے تھے۔

فائدہ: حجۃ الاسلام امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ یہ لوگ لعنت کے اس وجہ سے مستحق قرار دیئے گئے، کہ انہوں نے دوسرے لوگوں کو برائیوں سے نہیں روکا اور اس کیلئے کوئی کوشش نہیں کی، احیاء العلوم کی شرح اتحاف میں لکھتے ہیں کہ امام طبرانیؒ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے حوالہ سے روایت ذکر فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلے گذرے لوگوں میں بنی اسرائیل میں سے ایسا ہوتا تھا کہ جب ان میں کوئی غلط کام کرلیتا تو منع کرنے والا برائے نام منع کردیتا اور اس کے بعد ان کے ساتھ بیٹھنے کھانے پینے وغیرہ میں شریک رہتا گویا کہ اس نے کوئی غلطی اور جرم نہیں کیا تھا اور نہ اس کے علم میں ہے، جب اللہ پاک نے یہ صورتِ حال دیکھی تو ان کے قلوب ایک دوسرے کے قلب کے ساتھ ملادیئے اور سب برائیوں میں شریک قرار دیئے گئے تب حضرت داؤد وعیسیٰ بن مریمؑ کی زبانی ان پر لعنت وپھٹکار پڑی، داؤدؑ کی زبانی توریت میں اور حضرت عیسیٰؑ کی زبانی انجیل میں، اس کے بعد فرمایا کہ قسم اس ذات کی

جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے تم لوگ اچھائیوں کا حکم کرو اور برائیوں سے روکو اور برائی کرنے والے کا ہاتھ پکڑلو اور اس کو حق پر لے آؤ ورنہ تمہارے ساتھ بھی وہی ہوگا جو پہلے لوگوں کے ساتھ ہوا تھا، العیاذ باللہ منہ (اتحاف رص ۵ رج ۷)۔

قَالَ تَعَالٰی: تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (سورۂ مائدہ آیت ۲) ترجمہ: اللہ پاک کا ارشاد عالی ہے بھلائی اور تقویٰ کی باتوں پر تعاون کرو اور گناہ اور حدود سے نکلی باتوں پر تعاون نہ کرو۔

فائدہ: حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے اس آیت کریمہ سے بھی امر بالمعروف نہی عن المنکر کے وجوب پر استدلال فرمایا ہے کہ تعاونوا امر کا صیغہ ہے جس کا مقتضی وجوب ہے کہ امر ممنوع سے خود بھی بچے اور دوسروں کو بچانے کی کوشش اور تعاون کرے۔

چند مسائل متعلقہ تبلیغ

سوال:۔ تبلیغی اجتماع جو عورتوں کا ہوتا ہے اس میں عورت کا اپنے شوہر کی اجازت سے شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟۔

الجواب حامداو مصلیاً:۔ دین سیکھنا مردوں اور عورتوں سب کے ذمہ ضروری ہے، عورت کے لئے اگر ہر مکان میں ان کے شوہر باپ بھائی وغیرہ دین سیکھنے کا انتظام کردیں تو پھر کہیں جانے کی ضرورت نہیں لیکن جب اس کا انتظام نہ ہوتو ان کے اجتماع کو منع نہ کیا جائے البتہ اس کا اہتمام کیا جائے کہ پردہ کا پورا انتظام ہو، بلا محرم کے عورتیں سفر نہ کریں تقریر میں ان کی آواز نامحرموں تک نہ پہونچے، حضرت نبی کریم ﷺ نے بھی تورتوں کا اجتماع فرمایا اور اس میں خود تشریف لے جا کر دین سکھایا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی محمودیہ ص ۱۱۶ ج ۱۷)۔

بچوں کے خرچ کا انتظام کئے بغیر تبلیغ میں نکل جانا

سوال:۔ ایک شخص تبلیغ میں رہتا ہے گھر پر اس کے چھوٹے بچے کھانا وغیرہ سے پریشان رہتے ہیں کیا اس کیلئے اس طریقہ کی تبلیغ جائز ہے؟۔

الجواب حامداو مصلیاً:۔ بچوں کا خرچ نہ دینا جس سے وہ پریشان رہیں اور ان سے بے فکر ہو کر تبلیغ میں نکل جانا جائز نہیں اس کو لازم ہے کہ بچوں کے خرچ کا انتظام پہلے کرلے پھر اگر موقع ملے تب تبلیغ میں جائے فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی محمودیہ ج ۱۴)۔

عورتوں کے لئے تبلیغی سفر

سوال:۔ زید کی والدہ تبلیغی جماعت میں ممبئی میں کام کرتی ہیں اب تبلیغی

جماعت کے اکابر نے چند مستورات کی جماعت محرموں کے ساتھ لندن بھیجنے کا ارادہ کیا اس مذکورہ جماعت میں زید کی والدہ کا بھی نام ہے، زید کی والدہ اپنے شوہر کے ساتھ لندن جائیں گی مگر گھر میں چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں ایک پندرہ سالہ لڑکی بھی ہے، والدین کی عدم موجودگی میں بچوں کی نانی بچوں کی دیکھ بھال کے لئے تیار ہے تو ان حالات میں سفر جائز ہے یا نہیں؟ اور مستورات کا جماعت کی شکل میں دور دراز کا سفر بغرض تبلیغ جائز ہے یا نہیں؟۔

الجواب حامدو مصلیاً:۔تبلیغی جماعت کا مقصد دین سیکھنا اس کو پختہ کرنا اور دوسروں کو دین سیکھنے پختہ کرنے کیلئے آمادہ کرنا ہے اور اس جذبہ کو عام کرنے کیلئے طویل طویل سفر بھی اختیار کئے جاتے ہیں جس طرح مرد اپنے دین کو سمجھنے اور پختہ کرنے کے محتاج ہیں عورتیں بھی محتاج ہیں اور گھروں میں عامۃً اس کا انتظام نہیں ہے اس لئے اگر لندن یا کسی بھی دور دراز مقام پر محرم کے ساتھ حدود شرع کی پابندی کا لحاظ رکھتے ہوئے جائیں اور کسی کے حقوق تلف نہ ہوں تو شرعاً اس کی اجازت ہے بلکہ دینی اعتبار سے مفید اور اہم ہے اگر بچے اتنے چھوٹے نہیں کہ بغیر والدہ کے تڑپیں گے اور ان کی پرورش نہیں ہو سکے گی اور بچوں کی نانی ان کی دیکھ بھال اطمینان بخش طریقہ پر کرلیں گی تو پھر اجازت ہے (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۰۷/ج ۱۴)۔

سوال:۔اللہ کا راستہ کسے کہتے ہیں؟۔

الجواب حامداً ومصلیاً:۔قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ جہاد کے لئے بھی بولا گیا ہے خاص طور پر اللہ کے راستے میں دشمنوں سے قتال کرنے

کے سلسلہ میں اس کا کافی استعمال ہوا ہے، چند آیات اس سلسلہ کی درج ذیل ہیں:

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ (پارہ۱۰ ررکوع ۵) ترجمہ: اے نبی شوق دلا مسلمانوں کو بھلائی کا اگر ہوں تم میں بیس شخص ثابت غالب ہوں دوسوں پر اور اگر ہوں تم میں سو شخص غالب ہوں ہزار کافروں پر اس واسطہ کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (پارہ۱۱ ررکوع ۲) ترجمہ: بیشک اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور مال اس قیمت پر کہ ان کو بہشت ہے لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں وعدہ ہو چکا ہے اس کے ذمہ پر سچا تورات، انجیل اور قرآن میں اور کون ہے قول کا پورا کرنے والا اللہ سے زیادہ، سو خوشیاں کرو اس معاملہ پر جو تم نے کیا ہے اس سے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

وَمَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّسَعَةً وَّمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (پارہ۵ ررکوع ۱۱) ترجمہ: اور جو کوئی وطن چھوڑے اللہ کی راہ میں پاوے اس کے مقابلہ میں جگہ بہت اور کشائش اور جو کوئی نکلے

اپنے گھر سے وطن چھوڑ کر اللہ اور رسول کی طرف پھر آپڑے اس پر موت سو ٹھہر چکا اس کا ثواب اللہ پر اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ وَّاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (پارہ ۳ ررکوع ۴) ترجمہ: مثال ان کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں جیسے ایک دانہ اس سے اُگیں سات بالیں ہر بال میں سو سو دانے اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے اور اللہ کشائش والا ہے سب جانتا ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (سورۂ بقرہ آیت ۱۵۴) ترجمہ: اور نہ کہو انکو جو اللہ کے راستہ میں شہید کردیے گئے ہوں کہ وہ مردے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور لیکن تمکو خبر نہیں، نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ (سورۂ آل عمران آیت ۱۶۹) ترجمہ: اور نہ کہو انکو جو اللہ کے راستہ میں شہید کر دیے گئے ہوں کہ وہ مردے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس سے کھاتے پیتے ہیں مزید اللہ پاک نے شہید کی فرحت وخوشی کو یوں بیان فرمایا:

(۱) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ. قَالَ ثَلٰثَۃٌ حَقٌّ عَلَی اللّٰہِ عَوْنُھُمْ اَلْمُکَاتَبُ الَّذِیْ یُرِیْدُ الْاَدَاءَ وَالنَّاکِحُ الَّذِیْ یُرِیْدُ الْعَفَافَ وَالْمُجَاھِدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (مشکوۃ ص ر ۲۶۷ ج ر ۲) ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں، جن کی مدد

اللہ پر (اس کے وعدہ کے مطابق) ضروری ہے، ایک تو وہ مکاتب جو اپنا بدل کتابت اداء کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، دوسرا وہ نکاح کرنے والا شخص جو حرام کاری سے بچنے کی نیت رکھتا ہو اور تیسرا خدا کی راہ میں جہاد کرنے والا۔

تشریح: اس روایت کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں جو مشہور صحابی ہیں راوی اسلام کہلاتے ہیں سے ےھ میں اسلام لائے تب سے برابر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں تحصیل علم کے لئے اپنے آپکو وقف کر دیا ہر وقت علم قرآن و حدیث میں مشغول رہتے تھے، روایات کا بہت بڑا ذخیرہ ان سے منقول ہے علمی اشتغال کے ساتھ عبادت اور ذکر اللہ کا بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے، ۱۲ ہزار تسبیحات روزانہ کا معمول تھا۔ (أمانی الأحبار)۔

ایک زمانہ میں حضرت ابو ہریرہؓ بحرین کے گورنر بھی رہے، امیر علاقہ ہونے کے باوجود اپنا سامان خود اپنے سر پر لاد کر لایا کرتے تھے، بڑے کمالات و اوصاف کے مالک تھے، اور پانچ ہزار تین سو چوہتر (۷۴) روایات آپ سے مروی ہیں ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین افراد کی نصرت و مدد کرنا اللہ پاک نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔

مُکاتب یعنی وہ غلام جس کو اس کے آقا نے کہا کہ میں تجھ کو آزاد کر دوں گا اگر تم مجھ کو اتنے روپے دیدو، غلام نے منظور کر لیا اس رقم کا نام بدلِ کتابت ہے اب یہ غلام اپنی آزادی حاصل کرنے کیلئے مال کماتا ہے اور اپنے آقا کو دیتا ہے تو اللہ پاک ایسے شخص کی نصرت فرماتے ہیں جس کا ارادہ بدل کتابت ادا کرنے کا ہو اور وہ اس ظاہری آقا کی غلامی سے نجات حاصل کر کے حقیقی آقا و مولی کی خدمت کرنا چاہتا ہو، یہ صورت پہلے دور میں بکثرت پیش آتی تھی اب غلام و باندی کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے اس وجہ سے یہ باتیں بھی لوگوں

کو عجیب و غریب لگتی ہیں۔

ناکح: دوسرا وہ شخص جو عفت و پاک دامنی کیلئے نکاح کا ارادہ رکھتا ہو مگر ظاہری اسباب اس کے پاس نہ ہوں ان اسباب کے حاصل کرنے کیلئے محنت کرے انشاء اللہ وہ اللہ پاک کی نصرت و مدد کا مظاہرہ پائے گا، اللہ پاک نیک لوگوں کے دلوں کو اس کی مدد کی طرف متوجہ کریں گے۔

مجاہد: وہ شخص جو اللہ پاک کے راستہ میں جہاد کرتا ہو، یہاں ''فی سبیل اللہ'' سے مراد کفار سے ''اعلاء کلمة اللّٰه'' کیلئے قتال کرنا ہے، عموماً فی سبیل اللہ کا مصداق نصوص (آیات و روایات) میں جہاد ہی ہوتا ہے چونکہ اسمیں سب سے بڑی قربانی دینے کا کام رہتا ہے یعنی جان اللہ پاک کے راستہ میں پیش کرنا اور دوسرے مقابل (کافر) کو ہلاک کرنا اب اس کو ہلاک کر بھی سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دشمن اس کو شہید کر دے۔

بہر حال یہ سب سے بڑی قربانی ہے جو خالص اللہ پاک کی رضا کیلئے دی جاتی ہے اس لئے اس کی نصرت و مدد اللہ پاک نے اپنے ذمہ لی ہے، بہت سے حضرات نے فی سبیل اللہ کے مصداق میں دوسری اور باتوں کو بھی شامل کیا ہے علم دین سیکھنے کیلئے جانا بھی فی سبیل اللہ کا مصداق ہے۔

چنانچہ روایت میں ہے: عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ. صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. مَنْ خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ ۔

(رواہ الترمذی / مشکوۃ ص ۳۴)

بھلائی کا حکم اور برائی سے روکنا ہر ذی شعور کیلئے ازحد ضروری

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (سورۃ آل عمران آیت ۱۰۴) اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو نیکی کی طرف بلائے، بھلائی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں یہی لوگ کامیاب ہیں۔

اس خدائے قدوس وحکیم کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہمیں دین فطرت (مذہب اسلام) پر پیدا کیا اور افضل الرسل سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ ﷺ کی امت میں شمولیت کا مجد وشرف عطا فرمایا، وہ امت جس کی نسبت خالق ارض و سماوات نے "خیر امۃ" ارشاد فرمایا اور تمام عالم پر فضیلت وبرتری بخشی، اس عطاؤ بخشش اور فضل وکرم کا تشکر وامتنان ہم پر واجب ہے کہ خدائے رحمٰن ورحیم نے بنی اسرائیل کے بعد ہم غلامان محمد کو اس فخر وشرف سے ممتاز وسرفراز فرمایا کہ ہمیں بہترین امت کے خطاب سے یاد کیا، ہم سے پہلے بنی اسرائیل مورد الطاف خداوندی تھے، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے انعامات کی ان پر بے حد وحساب بارشیں نازل فرمائیں اور ان کی نسبت فرمایا کہ "فضلنا علی العالمین" ہم نے تم کو بنی اسرائیل تمام عالم پر فضیلت وبرتری عطا فرمائی، مگر ہمیں معلوم ہے کہ وہی بنی اسرائیل جن پر الطاف الٰہی کی شب وروز بارش ہوا کرتی تھی جن پر خزانہ خداوندی کے دروازے کھلے ہوئے تھے اور جن کے لئے آسمان سے من وسلویٰ اترتا تھا جب انہوں نے اللہ کی نافرمانی شروع

کردی اوران خصائص واعمال صالحہ کوترک کردیا جن کی بناپران کوتمام عالم پرفضیلت وبرتری دی گئی تھی اوران کے علماء نے حق کوچھپانا اورحق کے ساتھ باطل کوملانا شروع کردیا تووہی بنی اسرائیل مردود بارگاہ خداوندی کردیئے گئے اوران پرذلت ومسکنت مسلط کردی گئی اورغضب الٰہی میں وہ گرفتار ہوگئے ،اس لئے جس شرف وامتیاز سے اللہ پاک نے ہم کوسرفراز وممتاز فرمایا ہے ہمیں اچھی طرح اس پرغورکرلیناچاہئے کہ وہ کن محاسن کی بناپرہمیں عطاکیاگیاتھا تاکہ ہمیشہ ان پرعامل رہیں اورہمیشہ اس فخروامتیاز کے مستحق رہیں اورایسانہ ہوکہ بنی اسرائیل کی طرح اس شرف سے ہم بھی محروم کردیئے جائیں۔

امت محمدیہ ﷺ کوخیرامت کاخطاب جس بناپردیاگیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اچھی باتوں کاحکم دیتی ہے اوربری باتوں سے روکتی ہے اوراللہ اوریوم آخرت پرایمان رکھتی ہے، چنانچہ ارشادباری تعالیٰ ہے "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" (سورۂ آل عمران آیت ۱۱۰) تم بہترین امت اس لئے پیداکئے گئے ہوکہ اچھے کاموں کاحکم دیتے ہواوربرے کاموں سے روکتے ہو،اس آیت میں خداوند قدوس نے بتلایا ہے کہ بہترین امت اسلئے تم کوکہاگیا ہے کہ تم اچھی باتوں کاحکم دیتے ہواور بری باتوں سے روکتے ہو،پس ہمیں اپنی اس صفت کی پوری طرح نگہداشت کرنی چاہئے کیونکہ جوشرف وبزرگی عطاہوئی ہے وہ گویامشروط ہے،یعنی امربالمعروف اورنہی عن المنکر کی شرط کے ساتھ عطاکی گئی ہے اگریہ صفت باقی رہے گی توخیرامت کہلانے کے ہم مستحق ہوں گے اوراگرباقی نہ رہے گی اورامربالمعروف ونہی عن المنکر کے فرض کوہم ترک کردیں

گے تو خیرامت کے امتیاز سے بھی بنی اسرائیل کی طرح محروم کردیئے جائیں گے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک ایسا اہم فرض ہے کہ اس سے مسلمان کبھی اعراض وغفلت نہیں کر سکتے اور یقیناً اسلام کو اسی لئے خدا نے اتارا ہے کہ دنیا بھلائی اور اچھائی سے بھر جائے اور برائیوں سے بالکل پاک ہو جائے، یہی اسلام کی غرض اور اس کا مقصد ہے اس لئے اسلام نازل ہوا اور اس کی تکمیل کے لئے محمد ﷺ مبعوث ہوئے اور رسالت سے سرفراز فرمائے گئے اور حضور ﷺ نے ساری عمر کمال مستعدی اور تندہی سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کیا، یہی تبلیغِ اسلام اور اشاعتِ دینِ متین ہے، کیونکہ تبلیغ دین حق سے زیادہ نہ کوئی امر خیر ہو سکتا ہے اور نہ امر معروف اور کفر سے زیادہ کوئی قابل نہی منکر بھی نہیں ہو سکتا، یہ وہ فرض ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر شروع بعثت سے واجب کیا گیا اور سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کو حکم ہوا کہ ”وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ“ (سورۂ شعراء آیت ۲۱۴) کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ سے ڈرایئے کہ وہ اپنی برائیوں سے توبہ کریں اور بھلائی اختیار کریں اور سب سے بڑی برائی کفر وشرک ہے، اس لئے کفر وشرک سے توبہ کریں اور سب سے اچھی بھلائی اور سب سے بہتر امر خیر اللہ پر ایمان لانا اور دین اسلام قبول کرنا ہے، اس لئے کفر وشرک کو چھوڑ کر اسلام جو دین فطرت ہے اپنی گردن کا طوق زینت بنائیں، اس کے بعد حضور ﷺ ساری عمر اس فرض کو انجام دیتے رہے اور جو مسلمان ہوئے وہ بھی اس فرض امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو ادا کرتے رہے اور دنیا کو کفر وشرک اور دوسری برائیوں سے نکال کر اسلام کی خوبیوں اور

اچھائیوں کا پابند بناتے رہے۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم پر بھی اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا خطاب خیر لمۃ صادق آئے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض سے غافل نہ ہونا چاہئے، یہ ایسا فرض ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں حکم ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسے ضرور ہونے چاہئیں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض برابر ادا کرتے رہیں، اگر مسلمانوں میں ایک بھی اس فرض کا ادا کرنے والا نہ رہے گا تو سارے مسلمان گناہ گار ہوں گے اور جیسا کہ اُوپر بیان ہو چکا ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہی کے معنی تبلیغ اسلام و اشاعت دین کے ہیں اس لئے ہر ایک مسلم ومؤمن کا فرض اولین ہے کہ تبلیغ اسلام کے فریضہ کی طرف متوجہ ہو اور دنیا کو ظلمت کفر سے نجات دلانے اور نور اسلام سے منور کرنے کی کوشش کرے اور اس طرح اس عالم کو نیکی، بھلائی اور اچھائی سے بھر دے، آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آج مسلمانوں پر تبلیغ کا کیسا اہم فرض عائد ہو گیا ہے یوں تو ہر وقت مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ وہ اسلام کی اشاعت اور اس کی تبلیغ کرتے رہیں مگر اس وقت کے حالات نے فرض کفایہ کو تقریباً فرض لازمی بنا دیا ہے۔

اسلام جس طرح پہلے دین فطرت تھا اور اپنے اندر جذب وکشش رکھتا تھا اسی طرح آج بھی وہ دینِ فطرت ہے اور جاذبِ قلوب وارواح ہے اور قیامت تک اسی طرح دین فطرت اور جاذب قلوب وارواح رہے گا مگر افسوس کہ نتائج نہیں نکلتے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اسلام کا نقص تو ہو نہیں سکتا بلکہ ہمارا تصور اور طریق تبلیغ ہی کا نقص وقصور ہو سکتا ہے، اس لئے اپنی حالت اور اپنے طریق کار کا جائزہ لینا چاہئے اور یہ

جائزہ اور یہ احتساب بھی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی روشنی میں کرنا چاہیئے اور اس آسمانی روشنی میں ہمارے اور طریق کار کے اندر جو نقص نظر آئے اس کی اصلاح کر لینی چاہیئے تا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور تبلیغِ اسلام واشاعتِ دینِ متین کے کام کے وہی نتائج نکلیں جو ہمیشہ نکلے ہیں اور جو واقعۃ نکلنے چاہئیں، مثال کے طور پر حضرت خواجہ خواجگان معین الدین اجمیری، حضرت بابا فرید گنج شکر حضرت سلطان الاولیاء محبوب الٰہی کے نام مبارک لئے جاسکتے ہیں جنہوں نے لاکھوں انسانوں کو دائرہ اسلام میں داخل کر دیا درانحالیکہ ان کے پاس نہ روپیہ تھا نہ مبلغین کی فوجیں تھیں اور نہ آج کل جیسے ذرائع تبلیغ تھے۔

حضرات! سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کو یہ کامیابی کیوں ملی اور ہم باوجود روپیہ حاصل کرنے سے کیوں قاصر ہیں؟ ایران، افغانستان، روم، شام، مصر وعراق وغیرہ کے ممالک چند برسوں کے اندر سارے کے سارے مسلمان ہوگئے تھے مگر ہندوستان ایک ہزار سال میں بھی پانچویں حصہ سے زیادہ مسلمان نہ ہوسکا اور جو کامیابی ہوئی وہ بھی تمہاری مساعی کی رہین منت نہیں ہے بلکہ ان ہی بزرگان دین کی کوششوں کا نتیجہ ہے جن کے پاس نہ ایک روپیہ تھا نہ فوج تھی نہ کانفرنسیں تھیں نہ ذرائع کاغذی واخباری تھے، صرف ایک روح تھی جو صبغۃ الٰہی کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی اور ایک دل تھا جو بادۂ عرفان الٰہی سے مست وسرشار تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ تبلیغ اسلام اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جو اصلی اور حقیقی شرائط ہیں ان کی تعمیل وتکمیل کے بغیر کامیابی اور خاطر خواہ کامیابی کبھی نہیں ہوسکتی اور جس وقت ان شرائط کی تکمیل ہوگئی تو پھر

کامیابی قدموں میں لوٹتی نظر آئے گی، آپ دریافت کریں گے کہ آخر وہ شرائط کیا ہیں تو برادران اسلام خدائے بزرگ وبرتر نے ہمیں وہ شرائط بھی بتلادی ہیں اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا اسوۂ حسنہ بھی ہمارے سامنے موجود ہے اور بھی دو چیزیں ہیں جو کامیابی کی ضامن اور کفیل ہیں، خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے " اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ الرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ الْآمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ" (سورۂ توبہ آیت ۱۱۲) توبہ کرنے والے اللہ کی عبادت کرنے والے سجدہ کرنے والے اچھی بات کا حکم دینے والے بری باتوں سے روکنے والے اور اللہ کی قائم کی ہوئی حدود کی حفاظت کرنے والے اے محمد ﷺ ایسے لوگوں (اہلِ ایمان) کو بشارت دیدیجئے۔

اس آیۂ کریمہ میں چند خصائل بیان کئے گئے ہیں کہ وہ جن مسلمانوں کے اندر پائی جائیں گی ان کو مژدہ اور خوشخبری دی گئی ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایسے مسلمانوں کو بشارت دیدیں جن کے اندر یہ صفات پائی جائیں اور وہ صفات تو یہ ہیں۔

پہلی صفت توبہ کرنے والوں کی ہے، توبہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ تمام سابقہ بد اعمالیوں سے اس طرح توبہ کرنی چاہئے کہ پھر کبھی ان کے اعادہ وتکرار کا خیال ہی دل میں نہ پیدا ہو یعنی توبہ کرنے کے بعد پھر کبھی وہ گناہ سرزد نہ ہوں جو پہلے ہو چکے ہیں اور کم از کم زندگی معاصی سے پاک وصاف ہو۔

توبہ کے بعد دوسری صفت عبادت کی ہے، عبادت کا لفظ عام ہے اس میں تمام لسانی وبدنی اور فکری عبادتیں شامل ہیں، یعنی توبہ کرنے کے بعد وہ عبادت گذار ہو، پھر

اس کے بعد عبادت کی تشریح کردی ہے ایک عبادت لسانی ہے یعنی وہ زبان سے اللہ کی حمد کرنے والا ہو، اس میں حمد و ثنا تلاوت قرآن پاک، ذکر جہر و ذکر خفی سب شامل ہیں، عبادت لسانی کے بعد حج کا ذکر کیا ہے یعنی اللہ کے راستے میں سفر کرنے والا ہو، اس سے مراد حج ہے لیکن حج کے علاوہ بھی نیک مقاصد کے لئے جو سفر کئے جائیں، مثلاً طلب علم کے لئے کسب ہدایت کیلئے اور عبرت آموزی کے لئے، تیسرے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے جو سفر اختیار کئے جائیں وہ سب اللہ کے راستہ کا سفر ہوگا، اس کے بعد خاص طور پر نماز کا ذکر کیا ہے کہ وہ رکوع اور سجدہ کرنے والے ہوں۔

جب اتنی صفات سے ایک شخص متصف ہوا تو پھر اس کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا پابند ہو اور آخر میں حدود اللہ کا محافظ بھی ہو اور یہ صفت زندگی کے ہر شعبہ بلکہ انسان کی ہر ایک حرکت اور ہر جنبش پر حاوی ہے، اللہ کی حدود انسانی زندگی کے ہر ایک عمل ہر ایک خیال اور ہر ایک حرکت کے ساتھ وابستہ ہیں، یعنی وہ شخص آنکھ کو محرمات کی دید سے بچائے، زبان کو کذب و افترا، غیبت اور لغو بیانی سے آلودہ نہ ہونے دے، ہاتھوں کو ظلم و زیاتی سے روکے، پاؤں کو شرکت محرمات کے لئے نہ اٹھائے، اس طرح دل و دماغ اور روح کو ہر ایک فاسد خیال سے محفوظ رکھے، غرض یہ کہ اللہ کی قائم کردہ حدود کو نگاہ رکھے، خواہ وہ قویٰ ظاہر سے متعلق ہوں یا قواء باطن سے لیکن یہ آخری امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شرط کے بعد رکھی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ایک مبلغ دین حق اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے اس کی پابندی لازمی نہیں ہے مگر اس سے قبل جو صفات بیان کی گئی ہیں ان کا پابند ہونا ایک مبلغ اور ایک امر بالمعروف اور نہی

عن المنکر کرنے والے کے لئے ضروری ولازمی ہے، جب ان صفات حسنہ کا پابند انسان تبلیغ اسلام کے لئے اٹھے گا تو کیا اس کی کامیابی میں شبہ ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں کامیابی اس کے قدموں میں لوٹتی ہوئی نظر آئے گی اور خود خداوند عزوجل نے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیدیا ہے کہ وہ ایسے مسلمانوں کو خوشخبری اور بشارت سنادیں اگر چہ آیت میں بشارت وخوشخبری کی تعیین نہیں ہے مگر سابق المعیت سے صاف ظاہر ہے کہ کسی چیز کی خوشخبری سنانے کا حکم دیا گیا ہے یقیناً وہ خوشخبری کامیابی اور فوز وفلاح کی بشارت کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتی۔

وہ شرائط جو تبلیغی کامیابی کے لئے ضروری ہیں وہ یہ ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، یہی وہ صفات ہیں جن کی پابندی کرکے صحابہ کرامؓ نے تیس سال کے اندر اندر عرب، شام فلسطین، عراق، ایران، افغانستان ومصر وغیرہ کو برکات اسلامیہ سے معمور کردیا تھا اور دین اسلام میں انسانی گروہ فوج درفوج داخل ہوگئے تھے اور یہی صفات تھیں جن سے خواجہ اجمیری متصف تھے، یہی شرائط تھی جن کے پابند بنکر بابا فرید گنج شکر شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی اور محبوب الٰہی نے کفر نار ہندوستان کو نور اسلام اور ضیاء توحید سے جگمگا دیا تھا اور اگر آج بھی ہم اپنے آپ کو ان صفات سے متصف کرلیں تو ہم میں کا ہر متنفس پیکر تبلیغ بن جائے جس کے دیدار وآثار ہی سے سینکڑوں قلوب کا رنگ کفر وشرک سے صاف ہوجائے۔

اگر تمہارے دلوں میں اسلام کی کوئی سچی تڑپ موجود ہے اور ہمارے قلوب میں دین اسلام کی اشاعت کا حقیقی جوش اور ولولہ موجزن ہے اور تم یہ چاہتے ہو کہ ہمارا وطن

اوثان سے پاک ہو جائے اور اس کی بجائے خدائے واحد کی پرستش کا ڈنکا بجنے لگے تو ہمیں چاہئے کہ ان مذکورہ صفات سے اپنے آپ کو متصف کریں، سب سے پہلے صدق دل سے توبہ کریں اور ہر قسم کی عبادت سے اپنے قلوب کا تصفیہ وتزکیہ کریں اور اپنے قلب وروح کو بادۂ عرفان اسلامی سے اس قدر مست ومخمور بنالیں کہ دور سے دیکھ کر لوگ اس شراب کے متوالے بن جائیں اور ساقی اسلام کے ہاتھ پر بیعت کرلیں۔

اے خدائے اسلام ہم کو توفیق دے کہ تیرے بتلائے ہوئے راستہ پر گامزن ہوں اور سرتا بقدم کتاب اللہ سنت رسول اللہ ﷺ پر چلنے کی سعادت عطا فرما تاکہ ہم تیرے پیارے اسلام کی سچی تبلیغ کا فرض ادا کرسکیں، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (سورۂ بقرہ آیت ۱۲۷)۔

آپ ﷺ کا طریقۂ دعوت وتبلیغ

سید عالم فخر موجودات امام الرسل رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے تبلیغی اور دعوتی کام کس طرح شروع فرمایا اور اس سلسلہ میں کس قدر تکالیف شاقہ برداشت فرمائیں اور پھر قلیل ۲۳ رسالہ مدت میں اللہ پاک نے معجزاتی طور پر کس قدر عظیم الشان کامیابی سے نوازا اور کس قدر جانثار خدام اور اصحاب آپ ﷺ کو ملے اور پھر انہوں نے آپ کے پیغامات کو پورے عالم میں پھیلایا حتی کہ زمین نور ربانی سے چمک اٹھی، جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے: وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا (سورۂ زمر آیت ۶۹)۔

ان جملہ امور سے واقفیت کیلئے سیرت رسول اکرم ﷺ اور اصحاب گرامی قدر کی سیرت وتاریخ پر گہری نظر کی ضرورت ہے، اس لئے کتب سیرت وتاریخ حدیث

وتفسیر کی مراجعت کے بعد یہ سطور سپرد قلم کی جارہی ہیں، الحمدللہ ثم الحمدللہ اس مضمون کی تلاش میں سب سے پہلے حضرت علامہ فہامہ تاریخ وسیرت میں ماہر کامل مولانا شبلی نعمانی قدس سرہ کی مشہور زمانہ کتاب ''سیرت النبی ﷺ'' کی صورت میں خزانۂ عامرہ ہاتھ لگا، اس لئے تبرکاً بجنسہ پیش خدمت ہے، اللہ رب العزت مرحوم ومغفور کے درجات بے حد بلند فرمائے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اس سلسلہ میں ہم کو ایک اور غلط فہمی کو دور کرنا ہے جو بعضوں کو حضور ﷺ کی صفتِ تبلیغ کے سمجھنے میں پیش آئی ہے قرآن مجید میں متعدد آیتیں اس معنی کی آئی ہیں کہ رسولؐ کا فرض صرف پیغام پہنچادینا (ابلاغ) ہے اس سے آج کل کے بعض کوتاہ بینوں کو یہ دھوکہ ہوا کہ رسول ﷺ کا فرض صرف وحی الٰہی کی تبلیغ ہے یعنی قرآن پاک کے الفاظ کو بعینہ انسانوں تک پہنچادینا اس کا کام ہے، اس کے معنی کی تشریح اور مطلب کی توضیح نہ اس کا منصب ہے نہ اس کا اس کو حق ہے، ان کے نزدیک مبلغ رسولؐ کی حیثیت صرف ایک قاصد اور نامہ بر کی ہے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ خط تو پہنچادیتا ہے مگر اس خط کے مفہوم ومعنی کی تشریح کا اس کو حق نہیں ہوتا کہ اس بند لفافہ میں کیا ہے، شاید ان کو یہ دھوکہ اس آیت کے علاوہ لفظ رسول سے بھی ہوا ہے جس کے لفظی معنی پیغامبر اور قاصد کے ہیں لیکن وہ لوگ یہ خیال نہیں کرتے کہ جہاں اس کو رسول کہا گیا ہے ''نبی'' (خبر پانے والا) سراج منیر (روشن کرنے والا چراغ) صاحب حکمت، صاحب خلق عظیم، صاحب مقام محمود، مجتبیٰ (مقبول) مصطفیٰ (برگزیدہ) مبین

(بیان اور شرح کرنے والا) معلم (سکھانے والا) مزکی (پاک کرنے والا) داعی الی اللہ (اللہ کی طرف بلانے والا) حاکم (فیصلہ کرنے والا) مطاع (واجب الاطاعۃ) آمر (حکم دینے والا) اور ناہی (روکنے والا) بھی تو کہا گیا ہے، کیا یہ اوصاف والقاب اس کی اسی حیثیت کو ظاہر کرتے ہیں کہ وہ صرف ایک پیغام پہنچانے والا قاصد ہے جس کو اصل پیغام کے مفہوم ومعنی سے ایک معمولی قاصد اور نامہ بر کی طرح کوئی سروکار نہیں اس کے پیغام کے مفہوم ومعنی کی تشریح وتفسیر کا آج تو ہر عربی داں کو حق حاصل ہے اور اس کی اصل حقیقت تک پہنچ جانے کا ہر مدعی کو دعویٰ ہے، مگر خود صاحب پیغام کو اپنی پیغامبری کے وقت نہ مفہوم ومعنی کا علم تھا اور نہ اس کو اس کی تشریح کا حق تھا، اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ (سورۂ ص آیت ۵) ہم نے پچھلے صفحات میں جو کچھ لکھا ہے اس سے اس غلط خیال کی پوری تردید ہو جاتی ہے۔

ان کے اشتباہ کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ اسلام میں شرع اور وضع قانون کا حق صرف اللہ تعالیٰ کے لئے تسلیم کیا گیا ہے کہ وہی اصلی شارع ہے، اب اگر رسول کے لئے بھی وحی کتابی سے الگ شرع بنانے کا حق تسلیم کیا جائے تو خدا کے سوا ایک اور شارع تسلیم کرنا ہوگا، اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ ہم رسول کو شارع نہیں شارح قرار دیتے ہیں کیا عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر جج جب حکومت کے قانون کی توضیح وتشریح کرتا ہے تو وہ اپنے اس عمل سے سلطان وقت بن کر واضع قانون کا منصب حاصل کرتا ہے یا صرف قانون کے مفہوم کا شارح ہوتا ہے؟ یہی حیثیت آسمانی عدالت کے اس قاضی کی ہے جس کو ہم نبی اور رسول اور معلم اور مبین کہتے ہیں، دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے

ہر پیام اور مقصد اور مفہوم اور فیصلہ سے صرف وحی کے اسی طریقۂ خاص کے ذریعہ اپنے پیغمبر کو مطلع نہیں فرماتا جس طریق خاص سے قرآن مجید نازل ہوا ہے بلکہ وہ اپنی تینوں قسموں کے ذریعہ سے اپنے اغراض اس رسول پر واضح کرتا ہے اور ان میں سے ہر طریق کی وحی کی اطاعت تمام امت پر فرض ہے خواہ وہ وحی ہو جو الفاظ الٰہی کی قید کے ساتھ آئی ہو جس کو قرآن کہتے ہیں یا ربانی مفہوم ومعنی رسول کے الفاظ میں ادا ہوں جس کو حدیث وسنت کہتے ہیں۔

الغرض خواہ وہ کتاب الٰہی کے ذریعہ سے ہو یا حکمت ربانی کے فیض سے ہو قرآن مجید کی وہ آیتیں جن کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے رسول پر صرف پیغام پہنچانا ہے ان کا یہ منشا نہیں کہ وہ صرف پیغام پہنچانے والا ہے خوشخبری سنانے والا نہیں، ہوشیار و بیدار کرنے والا نہیں، پیغام الٰہی کے الفاظ سنانے کے بعد ان کی تعلیم دینے والا نہیں آیات الٰہی کی تبیین وتشریح کرنے والا نہیں، رہنما وہادی نہیں، نجاستوں سے پاک وصاف کرنے والا نہیں، ایسا کہنا قرآن کا انکار اور عقل وفہم کا ماتم ہے قرآن میں کئی جگہ ہے:

اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ (سورۂ رعد آیت ۷) تو تو صرف ڈر سنانے والا ہے، ایک جگہ ہے: اِنَّمَا اَنَا مُنْذِرٌ (سورۂ ص آیت ۶۴) میں تو صرف ڈر سنانے والا ہوں کیا ان آیتوں کا مفہوم یہی ہے کہ ڈر سنانے کے سوا رسول کا کام بشارت اور خوشخبری سنانا نہیں اور وہ صرف منذر ہے مبشر نہیں، اصل یہ ہے کہ اس قسم کی آیتوں اِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ (سورۂ مائدہ آیت ۹۲) ہمارے رسولؐ پر صرف پیغام پہنچا دینا ہے اس کا مفہوم یہ نہیں کہ وہ صرف پیغام رساں اور قاصد ہے مبین اور شارح نہیں بلکہ یہ ہے کہ اس کا کام صرف خدا کا

پیغام پہنچادینا ہے زبردستی لوگوں کو مسلمان بنادینا نہیں ، جبراً منوالینا نہیں اور نہ پیغام پہنچادینے کے بعد لوگوں کے کفر وانکار اور عدم ایمان کی ذمہ داری اس پر ہے قرآن میں جہاں جہاں اس معنی کی آیتیں آئی ہیں ان کا منشاء یہی اور صرف یہی ہے، قرآن پاک کی تیرہ مختلف آیتوں میں یہ بات کہی گئی ہے اور ہر جگہ یہی ایک مفہوم ہے: وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ (آل عمران آیت ۱۵)۔

کتاب والوں اور ان پڑھوں سے کہدے کیا تم نے اسلام قبول کیا؟ اگر کیا تو ہدایت پائی اور اگر منہ پھیرا تو تجھ پر (اے رسول) صرف پیغام پہنچانا ہے اور اللہ بندوں کا دیکھنے والا ہے، مفہوم بالکل صاف ظاہر ہے کہ اسلام کی ہدایت قبول کرنے میں کوئی زبردستی نہیں اگر لوگ قبول کریں تو انہوں نے حق کی راہ پائی اور اگر انکار کریں تو رسول کا کام صرف پیغام پہنچادینا تھا، وہ اس نے پہنچادیا، اس کا فرض ادا ہو چکا اب خدا جانے اور اس کے بندے جانیں۔

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (سورۂ رعد آیت ۴۰) تو تیرا فرض صرف پیغام پہنچادینا ہے اور ہمارا فرض ان سے حساب لینا ہے اس کی مزید تفصیل سورۂ غاشیہ میں ہے۔

فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ (سورۂ غاشیہ آیت ۲۶) تو (اے پیغمبر) تو نصیحت کرنے والا ہے ان پر داروغہ نہیں لیکن جس

نے منہ پھیرا اور انکار کیا تو خدا اس کو بڑی سزا دے گا، بے شک پھر ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، اور ہمیں پر ان کا حساب ہے۔

یہی مفہوم سورۂ شوریٰ میں ہے کہ رسول کا کام صرف سمجھانا اور تبلیغ کرنا ہے، وہ سلطان کارفرما اور فرماں روا بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ لوگوں سے بزور اپنی بات منوالے۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ

(شوریٰ آیت ۴۸) تو اگر وہ انکار کریں تو ہم نے تجھ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا تیرا کام صرف پہنچا دینا ہے۔ کافروں نے جب کبھی رسولوں کو جھٹلایا انہوں نے یہی کہا کہ ہمارا کام پہنچا دینا ہے، ماننے نہ ماننے کا تمہیں اختیار ہے۔

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ۝ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ۝ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ

(سورۂ یٰسین آیت ۱۷) کافروں نے کہا کہ تم تو ہماری ہی طرح آدمی ہو، خدا نے کچھ نہیں اتارا تم جھوٹ کہتے ہو رسولوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ ہم بے شبہ تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں اور ہمارا فرض صرف کھول کر پہنچا دینا ہے، خود اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو تسلی دی ہے کہ ان منکروں کے انکار سے دل شکستہ نہ ہوں، اگلے پیغمبروں کے منکروں نے بھی یہی کہا تھا، پیغمبروں کا فرض لوگوں سے منوانا نہیں بلکہ ان تک خدا کا پیغام پہنچانا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ

وَلَآ آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ‎(سورہ نحل آیت ۳۵) اور مشرکوں نے کہا اگر خدا چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی اور کو نہ پوجتے، نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام کرتے (خدا کہتا ہے) کہ ایسا ہی کیا تھا ان کے پہلوں نے، تو ہمارے پیغمبروں پر کھول کر پہنچا دینے کے سوا کچھ ہے، وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ‎(سورہ عنکبوت آیت ۱۸) اگر تم جھٹلاؤ تو (کیا ہے) تم سے پہلے بھی قومیں جھٹلا چکی ہیں اور رسول پر نہیں لیکن کھول کر پہنچا دینا، رسول کا کام پہنچا دینا ہے، باقی علام الغیوب جو چاہے سو کرے۔

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ‎(سورہ مائدہ آیت ۹۹) رسول پر نہیں ہے لیکن پہنچا دینا اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو، بقیہ آیتیں حسب ذیل ہیں جو ایک ہی مفہوم کو ادا کرتی ہیں: وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ‎(سورہ مائدہ آیت ۹۲) اور اللہ کا فرمان اور رسول کی بات مانو اور بچو اور اگر تم نے منہ پھیرا تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف کھول کر پہنچا دینا ہے۔ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ‎(سورہ نور آیت ۴۵) کہہ

دے اے پیغمبر اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر وہ منہ پھیریں تو رسول پر وہ ہے جس کا بوجھ اس پر ہے اور تم پر وہ ہے جس کا بوجھ تم پر ہے اور اگر اس کی اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤ گے اور رسول پر نہیں لیکن کھول کر پہنچا دینا۔ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (سورہ نحل آیت ۸۲) اسی طرح اللہ تم پر اپنا احسان پورا کرے گا تا کہ تم مسلمان ہو جاؤ اور اگر انہوں نے منہ پھیرا تو تجھ پر کچھ نہیں ہے مگر کھول کر پہنچا دینا، وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (سورہ تغابن آیت ۱۲) اور خدا کا کہنا مانو اور اسکی فرماں برداری کرو، اگر تم نے منہ پھیرا تو ہمارے رسول پر صرف کھول کر پہنچا دینا ہے، ارشاد باری ہے: فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَا اُرْسِلْتُ بِهٖ اِلَيْكُمْ (سورہ ہود آیت ۵۷) تو اگر تم منہ پھیرو تو میں جو پیام دیکر تمہارے پاس بھیجا گیا تھا وہ میں نے تم کو پہنچا دیا (یعنی میرا فرض ختم ہو چکا) ان تمام آیتوں کا تعلق نبوت کے منکروں سے ہے یہاں یہ نکتہ بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو لوگ ہنوز نبوت کے منکر ہوں ان سے رسول کا تعلق صرف تبلیغ ونصیحت پند وموعظت اور سمجھانے کا ہے، لیکن جو خوش قسمت اقرار نبوت کی سعادت حاصل کرلیں تو پھر ان کا تعلق رسول سے اتباع وپیروی اور اطاعت کا ہو جاتا ہے اور اس کے بعد رسول ان کو تبلیغ ہی نہیں بلکہ امر ونہی بھی کرتا ہے، کوئی حکومت دوسرے ملک کے باشندوں کو زبردستی اپنی رعایا نہیں بناتی، لیکن اگر کوئی شخص از خود اس حکومت کی رعایا بن جائے تو پھر اس کو اس کے قانون کی پیروی پر

بزور مجبور کیا جائے گا کہ رعایا بننے کے معنی ہی اس کے قانون کے قبول کرنے کے ہیں (ماخوذاز: سیرت النبی ص:۱۰۶ر تا ۱۱۱ر ج:۴)۔

رحمۃ للعالمین ﷺ رص: ۵۰ر پر لکھتے ہیں:

کہ نبی کریم ﷺ کی تبلیغ کا کام بمدارج ذیل آہستہ آہستہ وسعت پکڑتا رہا۔

اول: قریب کے رشتہ داروں اور خاص خاص احباب۔

دوم: قوم اور شہر کے سب لوگ۔

سوم: مکہ کے اطراف وجوانب کے قبیلے۔

چہارم: عرب کے جملہ حصص اور قبائل۔

پنجم: دنیا کی جملہ متمدانہ اقوام اور جملہ مشہور مذاہب۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے اولاً اپنے گھر سے تبلیغ شروع کی: وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (سورۂ شعراء آیت ۲۱۴)۔ ''حضرت خدیجہ بیوی، علی بھائی، ابوبکر دوست، زید بن حارثؓ پہلے ہی دن مسلمان ہوگئے۔ ان اشخاص کا ایمان لانا جو آنحضرت ﷺ کی چالیس سالہ زندگی ذرا ذرا سی حرکات وسکنات تک سے واقف تھے نبی کریم ﷺ کی صداقت اور راست بازی کی قوی دلیل ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بڑے مالدار آدمی تھے مکہ مکرمہ میں آپ کی بزازی کی دکان تھی لوگوں سے میل ملاپ کافی تھا ان کی تبلیغ سے حضرت عثمان، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص مسلمان ہوئے پھر دوسرے اور حضرات اسلام میں داخل ہوتے چلے گئے۔

عورتوں میں حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت عباسؓ کی اہلیہ ام الفضل، اسماء بنت عمیس اور فاطمہ بن الخطابؓ، حضرت عمرؓ کی بہن اسلام لائیں۔ اب ان دنوں مسلمان پہاڑ کی گھاٹی میں جا کر نماز پڑھتے تھے۔

اللہ پاک نے بھی بتدریج حکم فرمایا تھا اس لئے کبھی اپنے کنبہ وخاندان میں تبلیغ فرماتے اور کبھی پہاڑی پر وعظ فرماتے، چنانچہ ایک دن کوہِ صفا پر سب کو جمع کیا اور دعوتِ ایمان دی جس پر ابولہب نے کہا تبا لك سائر اليوم الهذا جمعتنا جس پر تبت یدا ابی لهب وتب الخ نازل ہوئی اور کبھی عکاظ اور ذی اعجاز کے میلوں میں وعظ فرماتے اور کبھی طائف میں۔

تبلیغ و دعوت

نبی ﷺ کا سب سے پہلا اور اہم فرض تبلیغ اور دعوت ہے یعنی جو سچائی خدا سے اس کو ملی ہے اس کو دوسروں تک پہونچا دینا اور جو علم اس کو عطا ہوا ہے اس سے اوروں کو بہرہ ور کرنا، خدا کا جو پیغام اس تک پہونچا ہے وہ لوگوں کو سنا دینا اس نے اس کو جس صداقت سے آگاہ کیا ہے اس سے اپنے ہم جنسوں کو باخبر کرنا، جو مالی، جانی، زبانی، دماغی، روحانی اور اخلاق طاقتیں اسکو بخشی گئی ہیں ان کو اس راہ میں صرف کرنا اور اس سمجھانے بجھانے اور راہ راست پر لانے میں صداقت کی ہر تاثیر سے کام لینا اس اعلان اور دعوت میں جو تکلیف بھی پیش آئے اس کو راحت جاننا، جو مصیبت بھی درپیش ہو اس کو آرام سمجھنا، جو کانٹے بھی اس وادی میں انکے تلووں میں چبھیں ان کو رگِ

گل سمجھنا، اس حق کی آواز کو دبانے کیلئے جو قوت بھی سر اٹھائے اس کو کچل دینا اور مال ومنال اور اہل وعیال، غرض جو چیز بھی اس سفر میں سنگ راہ ہو کر سامنے آئے اس کو ہٹا دینا اور اسکی اس ساری کوشش وکاوش کا مقصد خدا کی رضامندی، مخلوق کی خیرخواہی اور اپنے فرض رسالت کی ادائیگی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

یہ ہے انبیاءؑ کی تبلیغ ودعوت کا مفہوم، دنیا میں جس قدر پیغمبرؑ آئے انہوں نے اپنے فرض کو اسی ایثار وقربانی کے ساتھ انجام دیا اور ایک لمحہ بھی اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی نہ کی اور آج دنیا میں جو کچھ خدا کی محبت، بھائیوں کا پیار، انسانوں کی ہمدردی، بے کسوں کی مدد، غریبوں کی اعانت اور دوسری نیکیوں کا اس سطح زمین پر وجود ہے وہ سب بواسطہ یا بلا واسطہ، دانستہ یا نادانستہ انہیں کی دعوت وتبلیغ اور جد وجہد کا اثر اور نتیجہ ہے۔

دنیا کے بڑے سے بڑے مفکر، بڑے سے بڑے شاعر، بڑے سے بڑے حکیم اپنا فرض خود سمجھ لینا یا زیادہ سے زیادہ دوسروں کو سمجھا دینا سمجھتے ہیں، لیکن انبیاؑ جس صداقت کو پاتے ہیں اس کو دوسروں کے سمجھانے اور ہر ممکن طریق سے اس کو پھیلانے اور اہل دنیا کو اس کے باور کرانے میں اپنی پوری قوت صرف کر دیتے ہیں وہ ہر مشکل کو جھیل کر نافہموں کو حقیقت سمجھاتے اور اندھوں کو راہ راست دکھاتے ہیں انبیاءؑ کی تعریف میں خدا فرماتا ہے: اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَیَخْشَوْنَهٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ وَکَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیْبًا (احزاب آیت ۳۹)۔

ترجمہ: جو اللہ کے پیغاموں کو پہونچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ کافی ہے حساب (اعمال) کیلئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے: اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (سورۂ طٰہٰ آیت ۲۴) فرعون کے پاس جا کہ اس نے سرکشی کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ پیغام ربانی کی بے محابا تبلیغ کریں اور دشمنوں سے نہ ڈریں کہ ان کی حفاظت کا خود شہنشاہ دو عالم ذمہ دار ہے، يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (سورۂ مائدہ آیت ۶۷) اے پیغمبر! ترے رب کے پاس سے جو تیری طرف اترا ہے اس کو پہنچا دے اور اگر تو نے نہ کیا تو اس کے پیغام کے پہنچانے کا فرض ادا نہیں کیا اور اللہ تجھ کو لوگوں سے بچائے گا، انبیاءؑ کی تبلیغ و دعوت میں تبشیر اور انذار دونوں ہوتے ہیں، تبشیر یعنی بشارت دینا اور خوشخبری سنانا اور انذار یعنی خدا کے جلال سے ڈرانا، عذاب الٰہی کا خوف دلانا اور لوگوں کو ان کے انجام بد سے آگاہ کرنا، اور انبیاءؑ کی آمد اس شان سے ہوتی ہے کہ خدا کی حجت بندوں پر تمام ہو جائے۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (سورۂ نساء آیت ۶۵) ترجمہ: یہ سب خوشخبری سناتے اور ہوشیار و بیدار کرتے ہوئے آئے تا کہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کیلئے خدا پر کوئی حجت نہ رہے ان سب نے پیغام الٰہی پہنچانے کے ساتھ اپنی خیر خواہی، دلسوزی و اخلاص مندی کا اعلان کیا: اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ (سورۂ اعراف آیت ۶۸) میں تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا امانت دار خیر خواہ ہوں، يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ (سورۂ اعراف

آیت۷۹) یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَکُمْ فَکَیْفَ آسٰی عَلٰی قَوْمٍ کٰفِرِیْنَ (سورۂ اعراف آیت ۹۲) اے میرے لوگوں! میں نے اپنے رب کا پیام تم کو پہنچادیا اور تمہاری خیر خواہی کر چکا لیکن تم خیر خواہوں کو پیار نہیں کرتے، اے میرے لوگوں! میں نے اپنے رب کے پیام تم کو پہونچادیئے اور تمہاری خیر خواہی کر چکا تو پھر کیسے نہ ماننے والے لوگوں پر میں غم کھاؤں؟۔

یہ بھی فرمایا: لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ (سورۂ ہود آیت ۵۱) میں اپنی نصیحت کی تم سے مزدوری نہیں مانگتا میری مزدوری تو اس پر ہے جس نے مجھکو پیدا کیا: لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مَالًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ (سورۂ ہود آیت ۲۹) میں اپنی تبلیغ کے بدلے تم سے مال ودولت کا خواہاں نہیں ہوں، میری مزدوری تو خدا پر ہے۔　　(سیرۃ النبیؐ ص ۱۰۸ ج ۴)

کام کرنے کا طریقہ

کم از کم دس آدمیوں کی جماعت تبلیغ کے لئے نکلے اور اول اپنے میں سے ایک شخص کو امیر بنادے پھر سب ایک مسجد میں جمع ہوں اور وضو کرکے دو رکعت ادا کریں، بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو، بعد نماز ملکر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کریں اور نصرت و کامیابی اور توفیق خداوندی اور توفیق الٰہی کو طلب کریں اور ثبات واستقلال کی دعا کریں، بعد دعا سکون، وقار کے ساتھ آہستہ آہستہ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے روانہ ہوں اور فضول بات نہ کریں، جب اس جگہ پہنچیں جہاں تبلیغ کرنی ہے تو پھر سب مل کر حق تعالیٰ سے دعا مانگیں اور تمام محلہ یا گاؤں میں گشت کرکے لوگوں کو جمع کریں، اول ان کو نماز پڑھوائیں اور پھر

ان امور کی پابندی کا عہد لیں اور اس طریقہ پر کام کرنے کے لئے آمادہ کریں اور ان لوگوں کے ہمراہ گھروں کے دروازہ پر جا کر عورتوں سے نماز پڑھوائیں اور ان کی پابندی کی تاکید کریں، جو لوگ اس کام کو کرنے کے لئے تیار ہو جائیں ان کی ایک جماعت بنا دی جائے اور ان میں سے ایک شخص کو ان کا امیر مقرر کر دیا جائے اور اپنی نگرانی میں ان سے کام شروع کرایا جائے اور پھر ان کے کام کی نگرانی کی جائے۔

ہر تبلیغ کرنے والے کو چاہئے کہ اپنے امیر کی اطاعت کرے اور امیر کو چاہئے کہ اپنے ساتھیوں کی خدمت گذاری اور راحت سازی، ہمت افزائی اور ہمدردی میں کمی نہ کرے، اور قابل مشورہ باتوں میں اس سے مشورہ لیکر اس کے موافق عمل کرے۔

کیونکہ مشورہ کی اسلام میں زبردست اہمیت ہے اللہ پاک نے اپنے رسول ﷺ کو حالانکہ آپ صاحب الوحی ہیں اور دنیا میں سب سے زیادہ عقل والے تھے، پھر بھی مشورہ کا حکم فرمایا ہے: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ وَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (سورۂ آل عمران آیت ۱۵۹) کہ آپ لوگوں سے مشورہ کیا کریں اور جب آپ کا کسی جانب مضبوط ارادہ قائم ہو جائے تو اللہ پاک پر بھروسہ کر کے کر گزریے، نیز فرمایا: وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (سورۂ شوریٰ آیت ۳۸) کہ ان کے معاملات باہم مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔

غیر عالم کا وعظ کہنا

سوال: جو لوگ عالم نہیں ہیں کسی معتبر عالم سے قرآن و حدیث نہیں پڑھی ہے وہ اگر علماء کی طرح وعظ کریں تو کیسا ہے؟ دلائل کی روشنی میں مدلل و مفصل تحریر فرمائیں،

بینوا توجروا۔

جواب: وعظ گوئی اور تذکیر دین کا عظیم الشان رکن ہے، جو شخص قرآن وحدیث کا عالم نہ ہو وہ اس منصب کا اہل نہیں، حضور علیہ کا ارشاد ہے: اذا وُسِّدَ الامر الی غیر اهله فانتظر والساعة (بخاری شریف ص:۱۴؍ج:۱، کتاب العلم) جب نا اہلوں کو کام سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے الامر بالمعروف یحتاج الی خمسة اشیاء لها العلم لان الجاهل لا یحسن الامر بالمعروف امر بالمعروف (وعظ گوئی) کے لئے پانچ شرطیں ہیں جن میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ عالم ہو اس لئے کہ جاہل اچھے طریقہ سے امر بالمعروف نہیں کرسکتا (عالمگیری ص:۳۲۵؍ج:۶) درمختار میں ہے التذکیر علی المنابر للوعظ والاتعاظ سنة الانبیاء والمرسلین (درمختار مع الشامی ص:۳۷۲؍ج:۵)۔

محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ فرماتے ہیں: ویحك کن عاقلا لاتزا الصوم بجهلك بعد ما حزجت من الکتاب صعدت تتکلم علی الناس هذا امر یحتاج الی احکام الظاهر واحکام بالباطن ثمم عنی لمن الکل یعنی تجھ پر افسوس سمجھدار بن اپنی جہالت لیکر حکمائے امت کے سامنے صف میں آ، تو مدرسہ سے نکلتے ہی ممبر پر چڑھ بیٹھا کر لگا لوگوں کو وعظ کہنے اس وعظ گوئی کے لئے اول ضرورت ہے ظاہری وباطنی مضبوطی کی (اعمال وعقائد دونوں موافق شرع ہوں) اس کے بعد سب سے مستغنی ہونے کی (فتح ربانی ص:۲۳۸؍مجلس:۵۹)۔

اور فرماتے ہیں اعم کیف تداوی اعین الناس اخرس کیف تعلم الناس کیف تقیم بالدین من لیس حاحب کیف یقیم الناس الی باب الملك تو خود اندھا ہے پھر لوگوں کی آنکھ کا علاج کیونکر کرے گا، تو گونگا ہے پھر لوگوں کو تعلیم کس طرح دے گا، اور جاہل ہے پھر دین کو کس طرح درست کرے گا، جو شخص دربان نہ ہو وہ لوگوں کو شاہی دروازہ تک کیونکر پیش کرسکتا ہے (فتح ربانی رص:۲۷۸رج:۹۱)۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: فالتذکیر رکن عظیم الخ یعنی وعظ گوئی دین میں رکن عظیم ہے، خدا تعالیٰ نے اپنے رسول مقبول ﷺ سے فرمایا: فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ آپ سمجھاتے رہئے آپ کا کام سمجھانا ہے اور حضرت موسیٰؑ سے وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ (سورۂ ابراہیم آیت:۵) ان لوگوں کو گذشتہ واقعات یاد دلایا کرو، تو نص قرآنی سے ثابت ہوا کہ تذکیر اور وعظ گوئی عظیم الشان رکن ہے اور فرماتے ہیں فاما اعذکم فلا حد ان یکون مکلف مد لا محدثا مفزاعا لما بحملة کافیه من اخبار السلف الصالحین و سیرتهم ویعنی بالمحدث المشتغل بکتب الحدیث و کذالك بالموسر المشتغل بشرح غریب کتاب الله وتوجیه مشکله وبماروی عن السلف فی تقلیده یعنی واعظ کے لئے ضروری ہے کہ مکلّف یعنی مسلمان عاقل بالغ اور متقی وعادل ہو، قرآن وحدیث کے علوم کا ماہر ہو سلف صالحین، صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے صحیح حالات اور ان کی صحیح سیرت کا علم رکھتا ہو، محدث سے مراد یہ ہے کہ کتب حدیث یعنی صحاح ستہ، بخاری ومسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ سے شغل رکھتا ہو، صحیح ضعیف اور موضوع احادیث میں امتیاز کرسکتا

ہو، اور یہ علوم کامل استاد سے حاصل کیے جائیں۔ اور مفسر سے مراد یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر، آیات مشکلہ کی توجیہ اور تاویل سے واقف ہو (القول الجلیل مع شرح شفاء العلیل رص: ۱۴۰رج: ۱۰)۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں: بعض لوگ جن کی تربیت نہیں ہوتی اور مقتدا بن جاتے ہیں ان کے اخلاق نہایت خراب ہوتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ چھوٹے ہونے کے قبل بڑے ہوجاتے ہیں، متعلم بننے سے پہلے معلم اور علماء کا منصب اختیار کرنا بہت سی خرابیوں کا باعث ہے (الرفیق فی سواء الطریق رص: ۱۸)۔

اور فرماتے ہیں سفر (مدرسہ کا سفر) اگر عالم نہ ہو تو اسے وعظ گوئی سے منع کردیا جائے محض ترغیب چند محدود الفاظ سے مضائقہ نہیں، مگر غیر عالم وعظ کبھی نہ کہے اس میں چند مفاسد ہیں: ایک تو یہ کہ اس میں اس حدیث کی مخالفت ہے رسول اللہ ﷺ کا امر ہے کہ ہر کام اس کے اہل کے سپرد کرنا چاہئے اور آپ ﷺ فرماتے ہیں اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظروا الساعة (بخاری شریف، کتاب العلم رص: ۱۴رج: ۱) کہ جب کام نااہلوں کے سپرد کئے جانے لگیں گے تو قیامت کے منتظر رہو گویا نااہل کو کوئی کام سپرد کرنا اتنی سخت بات ہے کہ اس کا ظہور قیامت کی علامات سے ہے، اور یہ امر مصرح ہے کہ جو فعل اختیاری علامات قیامت سے ہوں وہ معصیت اور مذموم ہے اور ظاہر ہے کہ غیر عالم وعظ گوئی کا اہل نہیں یہ منصب صرف علماء مبلغین وکاملین کا ہے اس لئے غیر عالم کو اس کی اجازت ہرگز نہ دی جائے (التبلیغ وعظ المسمیٰ الہدی المغفرۃ رص: ۴)۔

اور علم کی شرط لانے سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ آجکل جو اکثر جاہل یا کالجاہل وعظ

کرتے پھرتے ہیں اور بیدھڑک روایات واحکام بلاتحقیق بیان کرتے ہیں سخت گنہگار ہوتے ہیں اور سامعین کو بھی انکا وعظ سننا جائز نہیں (بیان القرآن رص:۴۷رج:۲رپ۴)۔

اسی بناپر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: **لایزال الناس بخیر ما آتاهم العلم من قبل اکابرهم فاذا اتاهم من قبل اصاغرهم هلکوا** یعنی جب تک لوگوں کے سامنے کاملین کا علم رہے گا وہ دین میں ترقی کرتے رہیں گے اور جب ناواقفوں کا علم شروع ہوگا تو برباد ہوجائیں گے (جامع بیان العلم رص:۱۵۹رج:۱رترجمان السنہ رص:۴۴رج:۱رحاشیہ:۲)۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن امام ربیعہ کو بہت رونا آیا وجہ دریافت کی تو فرمایا اس لئے رورہا ہوں کہ دین کی باتیں جاہلوں سے پوچھی جارہی ہیں اور یہی گمراہی کی علامت ہے (الاعتصام رص:۱۴۹رج:۱) خلاصہ کلام یہ کہ جو بھی دینی کام کیا جائے وہ اصول شرعیہ کے تابع رہ کر کرنا چاہئے خلاف اصول اگر کام ہوں گے تو اس میں خرابیاں ہی پیدا ہونگی۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: حضرت گنگوہیؒ نے مجھ کو جواب میں لکھا کہ نااہل کو مدرسہ کا کام یا وعظ گوئی کا کام سپرد کرنا یہ خیانت ہے ایسا کرنے سے ہم پر مواخذہ ہوگا کہ کام نااہل کو کیوں سپرد کیا گیا اصل مقصود خدا کی رضا مندی ہے مدرسہ مقصود نہیں اور رہا یہ کہ مدرسہ باقی نہ رہے گا اس سے ہم پر مواخذہ نہ ہوگا ان سے مواخذہ ہوگا جن کی حرکات سے مدرسہ کو نقصان پہونچے گا، اس پر حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ جتنا بھی کام ہو صحیح اصول کے تابع حدود شرعیہ کے ماتحت رہ کر ہو مقصود خدا کی رضا ہے مسلمانوں کا ہر

کام خدا کی رضا کے لئے ہونا چاہئے ، مدرسہ رہے یا جائے ، مدرسہ ملک میں بدنام ہو یا نیک نام چندہ بند ہو جائے یا جاری رہے، طلباء زیادہ ہوں یا کم غرض کچھ بھی ہو اصول صحیح کے تابع رہنا چاہئے۔

علماء کو بھی اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہئے جس طرح درس وتدریس ضروری ہے اسی طرح ان پر یہ بھی فریضہ ہے کہ وہ وعظ وتبلیغ کے ذریعہ عوام کے عقائد واعمال کی اصلاح کریں اس وقت جو صورت حال ہے وہ بشکل تقسیم کار ہے، بعض نے درس وتدریس ہی کو اختیار کرلیا اور دوسری ذمہ داری سے صرف نظر کرلی اور بعض نے دوسری مشق اختیار کر کے دوسری صورت کو چھوڑ دیا، علماء کی اس ذمہ داری کے متعلق حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں: علمانے آجکل یہ کام بالکل چھوڑ دیا جو انبیاء علیہم السلام کا کام تھا اس لئے آجکل واعظ جہلا زیادہ نظر آتے ہیں، تو آپ نے اصل مقصد کے علاوہ جس چیز کو مقصود بنایا تھا اس کی بھی تکمیل نہیں کی تو اس کا بھی ایک شعبہ لے لیا یعنی درسیات اور دوسرا شعبہ تعلیم عوام کا چھوڑ دیا۔

صاحبو اگر علماء عوام کی تعلیم نہیں کریں گے تو کیا جہلا تعلیم کریں گے؟ اگر جہلا یہ کام کریں گے تو وہی ہوگا جو حدیث میں: **اتخذ الناس رؤسا جهالا فسئلوا فافتوا بغير علم فضلوا وأضلوا** (بخاری شریف رحدیث نمبر: ۱۰۰ ر مسلم شریف حدیث نمبر: ۲۶۷۳) کہ یہ جہلا مقتدیٰ وپیشوا شمار ہونگے لوگ انہیں سے فتویٰ پوچھیں گے اور یہ جاہل خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے اس لئے علماء کو تعلیم درسیات کی طرح وعظ وتبلیغ کا کام بھی کرنا چاہئے اور اس کا انتظار نہ کرو کہ ہمارے وعظ کا

اثر ہوتا ہے یا نہیں اور کوئی سنتا بھی ہے یا نہیں اور سننے والا مجمع ہے یا ایک (وعظ العلم والخشیۃ رص:۳۳ر فتاویٰ رحیمیہ رص:۲۷۶ رج:۱۶) حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحبؒ۔

جاہل مبلغ کے وعظ میں عموماً افراط وتفریط ہوتی ہے حدود پر قائم نہیں رہتا مستحب کو واجب اور فرض کا درجہ دیدیتا ہے دوسرا نقصان خود اس ذات کو یہ ہوتا ہے کہ ان بے اصول بیانات سے بجائے تواضع اور عبدیت کے تکبر اور تعلّی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اپنے کو مصلح امت سمجھنے لگتا ہے، الا ماشاء اللہ جس کا طریقہ اسلم ہو انما اعوذبك من الکبر والخیلاء ضبط ہو۔

مبلغین کے لئے راہِ عمل

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ جو علماء حقانیین میں سے ہیں جنکا عظیم الشان کارنامہ "اعلاء السنن" ہے جو کہ بیس ضخیم جلدوں اور چھ ہزار صفحات پر مشتمل ہے جس کی برکت سے فقہ حنفی احادیث وآثار سے مستحکم ہوگیا ہے اور سارے عالم نے اس کو قبول کیا۔ دوسری طرف آپ کی تبلیغی خدمات سے ہزاروں انسان واپس اسلام میں آئے جو مرتد ہو چکے تھے العیاذ باللہ اور ہزاروں کو انابت الی اللہ، توجہ الی اللہ حاصل ہوئی۔

فرماتے ہیں کہ تعلیم کی ضرورت اور اس کے فوائد پر روشنی ڈال چکا ہوں اس میں شک نہیں کہ اس کام کو اصول کے ساتھ کیا جائے تو اس وقت اسلام اور مسلمانوں کی سب سے بڑی خدمت ہے اور وقت کی اہم ضرورت ہے، لیکن افراط وتفریط سے ہر کام میں احتیاط لازم ہے، اسی لئے چند امور پر تنبیہ ضروری ہے۔

(۱) تبلیغی گشت کے بعض مواقع پر دیکھا گیا ہے کہ لوگوں کو زبردستی پکڑ کر مسجد کی طرف گھسیٹا جارہا ہے، کسی کی کمر میں ہاتھ ڈالا جارہا ہے کسی کے گلے میں، کہ بھائی چلو بس اسی وقت سے نماز شروع کردو، کسی نے ناپاکی کا عذر کیا تو زبردستی کنویں یا تالاب پر لے جاکر نہلایا جارہا ہے، بعض اس سے بچ کر بھاگتے اور منھ چھپاتے ہیں، بعضوں کی زبان سے سخت کلمات نکل جاتے ہیں، یہ نازیبا صورتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے لئے بھی پسند نہیں فرمایا، چنانچہ ارشاد باری ہے اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى (سورۂ عبس) جو شخص دین سے استغنا برتتا ہے آپ اس کے درپے ہوتے ہیں، حالانکہ حضور ﷺ کے یہاں کسی نازیبا غلو کا نام بھی نہ تھا۔

(۲) بعض لوگوں کو اس کام کے لئے ایک چلہ یا دو چلہ دینے کی اس طرح ترغیب دی جاتی ہے جو اصرار کی حد تک پہنچ جاتی ہے، وہ اپنے کاروبار کے نقصان کا عذر پیش کرتا ہے تو دعوے سے کہہ دیا جاتا ہے کہ تبلیغ کی برکت سے تمہارا کچھ نقصان نہ ہوگا، چاروناچار وہ اپنے کاروبار کو بری بھلی صورت میں چھوڑ کر ایک دو چلہ کے لئے تبلیغ میں شریک ہوجاتا ہے اور جماعت کے ساتھ دورہ کرتا رہتا ہے، جب واپس آکر کاروبار میں نقصان دیکھتا ہے تو ادھر ادھر شکایتیں کرتا اور جماعت کو برا بھلا کہتا پھرتا ہے، یہ بھی نازیبا صورت ہے۔

(۳) بعض لوگ تبلیغ کے سوا دوسرے تعلیمی شعبوں اور خدمت اسلام کے طریقوں کو بیکار سمجھتے ہیں اور حضرات علماء، صلحاء اپنے اپنے طریقہ پر مدارس یا خانقاہوں میں درس حدیث وقرآن وفقہ اور تزکیہ نفوس میں مشغول ہیں ان کی تحقیر کی جاتی ہے اور

تبلیغ کی فضیلت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ سامعین کے قلوب میں دوسرے اسلامی کاموں کے لئے بے قدری اور بے وقعتی پیدا ہوجاتی ہے، یہ بھی غلو اور افراط ہے۔

اگر سارے علماء وصلحاء ایک ہی کام میں لگ جائیں اور دوسرے تمام کام معطل کردئے جائیں تو علم قرآن وحدیث وفقہ اور تزکیہ اخلاق وتکمیل ذکر اور تحصیل نسبت باطنہ وغیرہ کا دروازہ بند ہوجائے گا، حق تعالیٰ نے جہاں یہ فرمایا ہے کہ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (سورۂ آل عمران آیت ۱۰۴) کہ تم میں ایک جماعت (سب نہیں) ایسی ہونی چاہیئے جو نیکی کی طرف بلائے (نیک کاموں کا امر کرے) اور برے کاموں سے روکے، وہیں یہ بھی ارشاد ہے کہ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ (سورۂ توبہ آیت ۱۲۲) مسلمانوں کی ہر بڑی جماعت میں سے کچھ لوگ اس کام کے لئے کیوں نہیں نکلتے کہ دین میں تفقہ اور کمال پیدا کریں (حاصل کریں) اور جب اپنی قوم میں واپس آئیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرائیں، اسی طرح ایک جماعت اہل حکومت کی ہونا ضروری ہے، ایک جماعت سپاہیوں کی بھی ہونی چاہیئے، غرض اہل حرفہ، زراعت، پیشہ تجار، ملازمت کرنے والے سب ہی ہونے چاہئیں، البتہ ان کو اپنے اوقات فرصت میں تبلیغ احکام کی خدمت بھی جس قدر ہوسکے انجام دینی چاہیئے۔

(۴) بعض دفعہ تبلیغ کے لئے پیادہ پا سفر کرنے کی اس عنوان سے ترغیب دی جاتی ہے کہ بوڑھے اور کمزور بھی پیدل چلنے کو تیار ہوجاتے ہیں اور ان کو بجائے روکنے

کے شاباشی دی جاتی ہے، یہ بھی نازیبا صورت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو پیادہ چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا سوار ہو جا! اس نے عذر کیا کہ میرے پاس جو اونٹنی ہے وہ بدنہ ہے (جسے اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرنے کی نیت کر چکا ہوں) کچھ دیر کے بعد آپ نے پھر فرمایا سوار ہو جا اس نے پھر وہی عذر کیا، آپ نے تیسری بار فرمایا ارکبھا ویلک ارے تیرا ناس ہو سوار ہو جا، غرض ایسے لوگوں کا پیادہ چلنا اور دور دراز سفر کرنا رسول اللہ ﷺ کو گوارہ نہ تھا۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جن لوگوں پر حج فرض نہ ہو اور مشقت کا تحمل نہ کر سکیں ان کے سامنے حج کے فضائل اس طرح بیان نہ کرو کہ وہ پیدل سفر کرنے پر آمادہ ہو جائیں، پھر مشقت کا تحمل کر سکیں تو حج اور بیت اللہ کی عظمت ہی ان کے دل سے جاتی رہے، اس سے تو یہی اچھا تھا کہ وہ حج نہ کرتے کہ ان کے ذمہ فرض نہ تھا۔ اس طرح پیدل سفر کر کے تبلیغ کرنا بھی فرض نہیں ہے تو اس کی ترغیب اس طرح نہ دی جائے کہ جن کو مشقت کی عادت نہ ہو وہ بھی تیار ہو جائیں اور تکلیف اٹھا کر تبلیغ کو دل میں برا کہیں۔

(۵) بعض دفعہ مجمع عام میں تبلیغ کیلئے ایک چلہ دو چلہ دینے کی ترغیب دی جاتی ہے اور جب کوئی نہیں بولتا تو نام لیکر پکارا جاتا ہے کہ میاں فلاں نے! تم کیوں نہیں بولتے؟ پھر جب لوگ نام لکھواتے ہیں تو یہ نہیں دیکھا جاتا کہ یہ شخص شوق سے نام لکھوا رہا ہے یا لوگوں کی شرما شرمی سے، ہمیں کوئی فوج تو بھرتی نہیں کرنی ہے اس کام میں انہیں لوگوں کو لینا چاہئے جو خلوص اور شوق سے کام کرنا چاہیں، تجربہ یہ ہے کہ جو لوگ شرما شرمی میں شریک ہو جاتے ہیں اصولوں کی پابندی نہیں کرتے بلکہ بعض تو تبلیغ کے نام سے اپنے لئے چندہ کرتے پھرتے ہیں جس کا اثر الٹا اور بہت برا ہوتا ہے۔

(۶) بعض حضرات نے تبلیغ کے کچھ اصولوں ہی میں سارے دین کو منحصر سمجھ رکھا ہے، اگر کسی دوسرے دینی کام کے لئے ان کو بلایا جاتا ہے تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ یہ کام ہمارے چھ اصولوں سے خارج ہے، اسلئے ہم اس میں شریک نہیں ہوسکتے، یہ بھی غلو اور افراط میں داخل ہے۔

(۷) مبلغین عام طور پر تبلیغی گشت کو کافی سمجھتے ہیں، مکاتب قرآنیہ اور مدارس دینیہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کرتے، حالانکہ جہاں قرآنی مکاتب اور مدارس دینیہ نہ ہوں وہاں مکتب اور مدرسہ قائم کرنا بہت ضروری ہے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو اس کا خاص اہتمام تھا۔

(۸) دیکھا گیا ہے کہ تبلیغی اجتماعات میں امراء وحکام اور وزراء کو شریک کرنے کی بڑی کوشش کی جاتی ہے یہ صورت بھی اچھی نہیں ہے، پس ترغیب سے زیادہ کچھ نہ کیا جائے، اس کے بعد کوئی خود اپنے شوق سے آئے تو خوشی کی بات ہے زیادہ اصرار کی ضرورت نہیں۔

میں نے مکہ معظمہ میں مبلغین کو تاکید کی تھی کہ حجاز کے دیہات میں قرآنی مکاتب قائم کرنے کی کوشش کریں تاکہ بدؤں کا جہل دور ہو اور ان کو علم سے مناسبت ہوجائے، امید کہ دوستوں نے اس کا اہتمام کیا ہوگا (تذکرہ ظفر ص ۹۹)۔

فائدہ:۔ محدث جلیل حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی عثمانیؒ (جو جماعت کے کام سے صرف منسلک ہی نہیں بلکہ ذمہ دار بھی تھے) نے سالہا سال پہلے جماعت کے لوگوں کو جن کوتاہیوں وتقصیرات کی طرف توجہ دلائی تھی معلوم نہیں جماعت کے لوگوں تک وہ

ہدایات پہنچیں بھی یا نہیں، بظاہر حالات سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہدایات ان لوگوں تک پہنچی ہی نہیں اور اگر پہنچیں تو ان کی طرف توجہ نہ دی گئی جس کی وجہ سے جن تقصیرات کی طرف حضرت محدثؒ نے توجہ دلائی ہے ان میں بجائے کمی و درستگی کے شدت و زیادتی نظر آرہی ہے بلکہ بہت سی نئی کوتاہیوں کا اضافہ ہوتا جارہا ہے، العیاذ باللہ تعالیٰ (اقوال سلف از ۲۶۱ تا ۲۶۶ رج ۶۔ مرتبہ حضرت مولانا شاہ قمر الزماں صاحب نور اللہ مرقدہ)۔

جماعت تبلیغ کیلئے نصاب تعلیم وذکر

مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے فرمایا کہ میرا اصل مقصد یہ ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے علوم ہوں اور میرا طریقہ تبلیغ ہو تو مسلمانوں کی حالت درست ہو جائے، اس کے بعد مجھے حکم دیا کہ جماعت تبلیغ کے لئے نصاب تعلیم اور نصاب ذکر الگ الگ قلمبند کردوں، چنانچہ میں نے نصاب قلمبند کر کے پیش کئے تو بہت خوش ہوئے۔

فائدہ:۔ غور فرمائیے کہ وہ نصاب جو حضرت بانی تبلیغ کے ارشاد پر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی جیسے عالم و محدث نے مرتب فرمایا جس کو حضرت حکیم الامت مجدد الملت کی تصانیف ومواعظ وبیان القرآن شامل تھا اور حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے اپنی پسندیدگی کی مہر بھی اس پر ثبت فرمادی تھی اس کے مفید اور موثر ہونے میں کیا شک ہے اس لئے میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر حضرت حکیم الامتؒ کی کتابوں کے سننے سنانے کا معمول رہتا تو ایک مجدد کی کتابوں کی حیثیت سے عوام وخواص سب کو علمی وعملی نفع پہنچتا اور جہالت کی ظلمت دور ہوتی جس کی وجہ سے بہت سی علمی غلطیاں اور عملی کوتاہیاں جو

ہورہی ہیں وہ ہرگز نہ ہوتیں۔ اور یہ دعوت وتبلیغ کا کام حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی منشاء کے مطابق ہوتا رہتا اور علماء ربانیین کے اطمنان کا بھی سبب ہوتا، واللہ ولی التوفیق (اقوالِ سلف رص ۳۶۷)۔

اصولِ تبلیغ ودعوت

صاحب ''معارف السنن شرح ترمذی'' اسی طرح محدث عظیم شارح حدیث حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ نے فرمایا: اس سلسلہ میں ایک اصولی بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کے مکلّف نہیں کہ جس طرح بھی ممکن ہو لوگوں کو پکا مسلمان بنا کر چھوڑیں، ہاں اس بات کے مکلّف ضرور ہیں کہ تبلیغ دین کے لئے جتنے جائز ذرائع ووسائل ہمارے بس میں ہیں ان کو اختیار کر کے اپنی پوری کوشش صرف کریں۔ اسلام نے جہاں ہمیں تبلیغ کا حکم دیا ہے وہاں تبلیغ کے باوقار طریقے اور آداب بھی بتائے ہیں، ہم ان طریقوں اور آداب کے دائرے میں رہ کر تبلیغ کے مکلّف ہیں اگر ان جائز ذرائع اور تبلیغ کے ان آداب کے ساتھ ہم اپنی تبلیغی کوششوں میں کامیاب ہوتے ہیں تو عین مراد ہے، لیکن اگر بالفرض ان جائز ذرائع سے ہمیں مکمل کامیابی حاصل نہیں ہوتی تو ہم اس بات کے مکلّف نہیں کہ ناجائز ذرائع اختیار کر کے لوگوں کو اپنا ہم نوا بنانے کی کوش کریں، اگر ہم جائز وسائل کے ذریعے اور آداب تبلیغ کے ساتھ ایک شخص کو بھی دین کا پابند بنادیں گے تو ہماری تبلیغ کامیاب ہے اور ناجائز ذرائع اختیار کر کے ہم سو آدمیوں کو بھی اپنا ہم نوا بنالیں گے تو ایسی کامیابی اللہ کے یہاں کوئی قیمت نہیں رکھتی، کیونکہ دین کے احکام پامال کر کے جو تبلیغ کی جائے گی وہ دین کی نہیں

کسی اور چیز کی تبلیغ ہوگی، فلم اپنے مزاج کے لحاظ سے بذات خود اسلام کے احکام کے خلاف ہے لہذا ہم اس کے ذریعہ تبلیغ دین کے مکلّف نہیں ہیں۔

اگر کوئی شخص جائز اور باوقار طریقوں سے ہماری دعوت قبول کرتا ہے تو ہمارے دیدہ و دل اس کے لئے فرش راہ ہیں، لیکن جو شخص فلم دیکھے بغیر دین کی بات سننے کے لئے تیار نہ ہو اسے فلم کے ذریعہ دعوت دینے سے ہم معذور ہیں۔ اگر ہم یہ موقف اختیار نہ کریں کہ ہم لوگوں کے مزاج کی رعایت سے فلم کو تبلیغ کے لئے استعمال کریں گے تو کل بے حجاب خواتین کو اس مقصد کے لئے استعمال کیا جائے گا اور رقص و سرود کی محفلوں سے لوگوں کو دین کی طرف بلانے کی کوشش کی جائے گی۔

اس طرح ہم تبلیغ کے نام پر خود دین کے ایک ایک حکم کو پامال کرنے کے مرتکب ہونگے (انتہیٰ)۔ اس کے بعد مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب بطور خلاصہ یوں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ کونسل میں مولانا کی آخری تقریر تھی اور غور سے دیکھا جائے تو یہ تمام دعوت دین کا کام کرنے والوں کیلئے مولاناؒ کی آخری وصیت تھی جو لوحِ دل پر نقش کرنے کے لائق ہے (اقوال سلف ۳۴۱/ج ۵۔۶)۔

تبلیغ کے آداب

(ماخوذ از فضائل تبلیغ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ)۔

یہ کام حق تعالیٰ کی ایک اہم عبادت اور سعادت عظمیٰ ہے اور انبیاء کرام کی نیابت ہے، جو کام جس قدر بڑا ہوتا ہے اسی قدر آداب کو چاہتا ہے۔ اس کام سے مقصد دوسروں کی ہدایت نہیں بلکہ خود اپنی اصلاح اور عبدیت کا اظہار ہے اور حکم خداوندی کی

بجا آوری اور حق تعالیٰ کی رجا جوئی مقصد ہے، پس چاہئے کہ امور مندرجہ کو اچھی طرح ذہن نشین کرے اوران کی پابندی کرے۔

(۱) اپنا تمام خرچ کھانے پینے کرایہ وغیرہ کا حتی الوسع خود برداشت کرے اور اگر گنجائش ہو تو اپنے نادار ساتھیوں پر بھی خرچ کرے۔

(۲) اپنے ساتھیوں اور اس مقدس کام کے کرنے والوں کی خدمت گذاری اور ہمت افزائی کو اپنی سعادت سمجھے اوران کے آداب واحترام میں کمی نہ کرے۔

(۳) عام مسلمانوں کے ساتھ نہایت تواضع اور انکساری کا برتاؤ رکھے، بات کرنے میں نرم لہجہ اور خوشامد کا پہلو اختیار کرے، کسی مسلمان کو حقارت اور نفرت کی نظر سے نہ دیکھے، بالخصوص علماء دین کی عزت وعظمت میں کوتاہی نہ کرے جس طرح ہم پر قرآن وحدیث کی عزت وعظمت، ادب واحترام واجب اور ضروری ہے اسی طرح ان مقدس ہستیوں کی عزت وعظمت اور ادب واحترام بھی ضروری ہے، جن کو خدا تعالیٰ نے اپنی اس نعمت عظمیٰ سے سرفراز فرمایا ہے علماء حق کی توہین دین حق کی توہین کے مترادف ہے جو خدا کے غیض وغضب کا موجب ہے۔

(۴) فرصت یعنی خالی وقتوں کو بجائے جھوٹ، غیبت، لڑائی، فساد، کھیل تماشہ کے، مذہبی کتابوں کے پڑھنے اور مذہب کے پابند لوگوں کے پاس بیٹھنے میں گذارے، جس سے خدا اور رسول کی باتیں معلوم ہوں، خصوصاً ایام فضول باتوں سے اور فضول کاموں سے بچے، اپنے فارغ اوقات کو یاد الٰہی ذکر وفکر اور درود واستغفار اور تعلیم وتعلم میں گذارے۔

(۵) جائز طریقوں سے حلال روزی حاصل کرے اور کفایت شعاری کے ساتھ اس کو خرچ کرے اور اپنے اہل وعیال اور دیگر اقربا کے شرعی حقوق ادا کرے۔

(۶) کسی نزاعی مسئلہ اور فروعی بات کو نہ چھیڑے بلکہ صرف اصل توحید کی طرف دعوت دے اور ارکان اسلام کی تبلیغ کرے۔

(۷) اپنے تمام افعال واقوال کو خلوص نیت کے ساتھ مزین اور آراستہ کرے کہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا عمل بھی موجب خیر وبرکت اور باعث ثمرات حسنہ ہوتا ہے اور بغیر اخلاص کے نہ دنیا ہی میں کوئی ثمرہ نکلتا ہے اور نہ آخرت میں اجر وثواب ملتا ہے۔

حضرت معاذؓ کو جب نبی کریم ﷺ نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو انہوں نے درخواست کی کہ مجھے نصیحت کیجئے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ دین کے کاموں میں اخلاص کا اہتمام رکھا جائے کہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا عمل بھی کافی ہو جاتا ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا ایک واقعہ

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی ذات سے آج کونسا مسلمان ناواقف ہوگا اللہ تعالیٰ نے تبلیغ اور دین کی دعوت کا جذبہ آگ کی طرح ان کے سینہ میں بھر دیا تھا جہاں بیٹھتے بس دین کی بات شروع کر دیتے اور دین کا پیغام پہونچاتے، ان کا واقعہ کسی نے سنایا کہ ایک صاحب ان کی خدمت میں آیا کرتے تھے، کافی دن تک آتے رہے ان صاحب ڈاڑھی نہیں تھی جب ان کو آتے ہوئے کافی دن ہو گئے تو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے سوچا کہ اب یہ مانوس ہو گئے ہیں، چنانچہ ایک دن حضرت نے ان سے کہدیا کہ بھائی صاحب ہمارا دل چاہتا ہے کہ تم بھی اس

ڈاڑھی کی سنت پر عمل کرلو، وہ صاحب ان کی یہ بات سن کر کچھ شرمندہ سے ہوگئے اور دوسرے دن سے آنا چھوڑ دیا، جب کئی دن گذر گئے تو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے لوگوں سے ان کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے آنا چھوڑ دیا تھا، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو بہت افسوس ہوا اور لوگوں سے فرمایا کہ مجھ سے بڑی سخت غلطی ہوگئی میں نے کچے توے پر روٹی ڈالدی، یعنی ابھی توا گرم بھی نہیں ہوا تھا اور اس قابل نہیں ہوا تھا کہ اس پر روٹی ڈالی جاتی میں نے پہلے ہی روٹی ڈالدی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان صاحب نے آنا ہی چھوڑ دیا، اگر وہ آتے رہتے کم ازکم دین کی باتیں کان میں پڑتی رہتیں اور اس کا فائدہ ہوتا۔

اب ایک ظاہر بین آدمی تو یہ کہتا ہے کہ اگر ایک شخص غلطی کے اندر مبتلا ہے تو اس سے زبان سے کہدو اس لئے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر ہاتھ سے برائی کو نہیں روک سکتے تو کم ازکم زبان سے کہدو لیکن آپ نے دیکھا زبان سے کہدینا الٹا مضر اور نقصان دہ ہوگیا، کیونکہ ابھی تک ذہن اس کے لئے سازگار نہیں (تیار) تھا یہ باتیں حکمت کی ہوتی ہیں کہ کس وقت کیا بات کہنی ہے (ماخوذ از اصلاحی خطبات حضرت مولانا تقی عثمانی رص:۵۲رج:۸)۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے طریقے اور مواقع

نیک باتوں کا جو موافق شرع ہیں حکم کرنا اور خلاف شرع ومفاسد سے روکنا اسلام میں دین ودنیا کی راہ سے ایک عظیم الشان اہم امر ہے اور اس کا ترک کرنا بہت بڑا فساد ہے اور جو کچھ نازل ہوا اس کے ترک سے نازل ہوا اور حدیث میں ہے کہ واللہ تم

لوگ اگر معروف کا حکم نہ کروگے اور منکرات سے منع نہ کروگے، اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں پھوٹ ڈالدے گا اور ایک روایت میں آیا ہے کہ پھر تم میں سے مرد صالح دعا کرے گا مگر قبول نہیں ہوگی اور مترجم فی قولہ تعالیٰ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً الأيه (سورۂ انفال آیت ۲۵)، وقوله تعالى: كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ الايه (سورۂ مائدہ آیت ۷۹) وغیرہ کی تفسیر میں احادیث آثار سے مشروع و موضوع بیان کیا ہے۔

(۱) امر بالمعروف پہلے نرمی ولطف کے ساتھ چاہئے تاکہ نصیحت زیادہ موثر ہو پھر درشتی وسختی کرے لیکن بدگوئی وگالی وفحش کے ساتھ نہ ہو، پھر ہاتھ کے ذریعہ سے ہو بایں طور کے شراب بہاوے وطبلہ وسارنگی وغیرہ توڑے امر بالمعروف کے کئے انواع ہیں:

(۱) غالب گمان کہ نصیحت قبول کرلیں گے اور منکر چھوڑ دیں گے تو اس پر ایسا کرنا واجب ہے (۲) چھوڑ نہیں سکتا۔ غالب گمان ہو نصیحت میں اس کو گالیاں دیں گے تو چھوڑنا افضل ہے، یونہی اگر اس سے بڑھکر مار پیٹ وغیرہ کا خوف ہو جس سے لڑائی وعداوت ہوگی اور اگر جانتا ہے کہ مار پیٹ تک نوبت پہونچے گی مگر صبر کرے گا اور کسی سے شکوہ کرے گا تو امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں مضائقہ نہیں ہے اور اس کو جہاد کا ثواب ہے (ماخوذ از: عینی الہدایہ رص: ۳۲۱ رج: ۴)۔

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ اور ان کا طریقہ کار

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے بارے میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائےپوریؒ کا ارشاد ہے کہ مولانا الیاس صاحبؒ کو تبلیغ کی حقیقی تڑپ تھی ان کی نسبت کی

وجہ سے حضرت مولانا یوسف صاحبؒ میں بھی اس تڑپ کی جھلک تھی (ارشادات شاہ عبدالقادر رائیپوریؒ ص ۱۱۳)۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے استاذ فرماتے تھے کہ جب میں مولوی محمد الیاس کو دیکھتا ہوں تو مجھے صحابہ یاد آجاتے ہیں (اقوال سلف ۴۵۹)۔

حضرت گنگوہیؒ قطب الارشاد امام المحدثین مولانا رشید احمد صاحب کی نظر میں مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا مقام

اقوال سلف ص ۴۶۰ میں ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب بالعموم بچوں اور طالب علموں کو بیعت نہیں فرماتے تھے مگر مولانا الیاسؒ کی غیر معمولی صلاحیت کی بناء پر بیعت فرمالیا تھا ساتھ ہی ظاہری تعلیم کا سلسلہ بھی جاری تھا دارالعلوم میں ۱۳۲۶ھ میں جاکر تکمیل فرمائی۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے وصال کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب خلیفہ حضرت گنگوہی کے ہاتھ پر تکمیل ہوئی۔

وضو، غسل اور نماز کے فرائض

وضو کے فرائض چار ہیں: (۱) پورا چہرہ دھونا (۲) دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھونا (۳) چوتھائی سر کا مسح کرنا (۴) دونوں پیر ٹخنوں سمیت دھونا۔

غسل کے فرائض تین ہیں: (۱) اچھی طرح کلی کرنا (۲) ناک میں اچھی طرح پانی ڈالنا (۳) پورے بدن پر پانی بہانا۔

نماز کے فرائض

نماز کے فرائض چودہ ہیں سات نماز سے باہر کے اور سات نماز کے اندر کے۔ نماز سے باہر کے فرائض ان کو شرائط بھی کہتے ہیں۔

(۱) بدن کا پاک ہونا (۲) کپڑوں کا پاک ہونا (۳) جگہ کا پاک ہونا (۴) ستر کا چھپانا (۵) نماز کا وقت ہونا (۶) قبلہ کی طرف رخ کرنا (۷) نیت کرنا۔

نماز کے اندر کے فرائض: (۱) تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر کہنا (۲) قیام یعنی کھڑا ہونا (۳) قرأت یعنی قرآن پاک پڑھنا (۴) رکوع کرنا (۵) دوسجدے کرنا (۶) قعدۂ اخیرہ میں التحیات پڑھنے کی مقدار بیٹھنا (۷) اپنے ارادے سے نماز کو پوری کرنا۔

نماز میں فرائض کا حکم: ان فرائض میں سے اگر ایک بھی فرض بغیر عذر کے چھوٹ گیا تو نماز نہیں ہوگی چاہے بھول سے چھوٹے۔ دوبارہ نیت باندھ کر پڑھنی لازم ہوگی۔

واجباتِ نماز

واجباتِ نماز سترہ ہیں: (۱) سورۂ فاتحہ پڑھنا (۲) ایک سورت یا تین آیتیں فرض کی پہلی دو رکعتوں میں پڑھنا اور وتر، سنت اور نوافل کی تمام رکعتوں میں پڑھنا (۳) فرض کی پہلی دو رکعتوں کو قرأت کے لئے مقرر کرنا (۴) سورۂ فاتحہ کو سورت سے پہلے پڑھنا (۵) تعدیلِ ارکان یعنی ہر رُکن کو اچھی طرح ادا کرنا (۶) پہلا قعدہ کرنا (۷) دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا (۸) تشہد پڑھ کر تیسری رکعت کے لئے فوراً کھڑا ہونا (۹) وتروں میں دعاءِ قنوت پڑھنے کے لئے تکبیر کہنا (۱۰) وتروں میں دعاءِ قنوت پڑھنا (۱۱) سجدہ میں پیشانی کے ساتھ ناک بھی رکھنا (۱۲) رکوع سجدہ وغیرہ ارکان کو ترتیب سے ادا کرنا (۱۳) عید کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع کی تکبیر کہنا (۱۴) دونوں عیدوں کی نماز میں چھ زائد تکبیریں کہنا (۱۵) امام کو نماز فجر، مغرب، عشاء، جمعہ اور دونوں عیدوں میں ایسے ہی تراویح اور رمضان شریف کے وتروں میں آواز سے قرأت کرنا (۱۶) ظہر اور عصر میں اور فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں قرأت آہستہ کرنا (۱۷) لفظ سلام کے ساتھ نماز کو ختم کرنا۔

نماز میں واجبات کا حکم: ان واجبات میں سے اگر کوئی واجب بھولے سے چھوٹ گیا تو سجدۂ سہو لازم ہوگا، اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو نماز دوبارہ پڑھنی واجب ہے، اگر جان بوجھ کر لاپرواہی سے یا مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے کوئی واجب چھوڑ دیا تو نماز بالکل نہیں ہوگی حتیٰ کہ سجدۂ سہو سے بھی نہ ہوگی۔

دارالعلوم دیوبند کا ایک اہم فتویٰ

مستورات کا دعوت وتبلیغ کے لئے سفر کرنا

حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحبؒ (صدر مفتی دارالعلوم دیوبند) کا فتویٰ اور حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحبؒ (مفتی اعظم مظاہر علوم سہارنپور) نیز حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ (ناظم مظاہر علوم سہارنپور) کی تائید وتصدیق (۵۷۷)۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ کیا عورتوں کا تبلیغ کے لئے سفر کرنا مع محرم کے درست ہے؟۔

المستفتی: حافظ

عبدالرحیم مسجد کوٹھے والی صدر بازار دہلی ۱۳۷۷/۲/۱۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب:۔ حضورﷺ اور صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے زمانہ میں تبلیغ کے لئے عورتیں سفر نہ کرتی تھیں اور نہ آپﷺ نے اور نہ صحابہ نے تبلیغ کیلئے عورتوں کو سفر کرنے کا حکم فرمایا نہ خود تبلیغ کیلئے سفر میں روانہ کیا، اس عمل سے ثابت ہے کہ عورتوں کو تبلیغ کیلئے سفر کرنا جائز نہیں، خیر القرون کے زمانہ میں اگر کسی عورت کو کسی مسئلہ کی ضرورت ہوتی تھی تو حضورﷺ یا ازواج مطہرات یا صحابہ کی بیویوں سے آکر دریافت کر لیتی تھیں، تبلیغ مردوں کے ذمہ اس زمانہ میں مقرر تھی، اور عورتیں پردہ کے ذریعہ سے احکام کو معلوم کر کے دین کی باتیں سیکھتی تھیں، مردوں کا کام یہ تھا کہ وہ اپنی عورتوں کو دین سے واقف کرائیں، حضورﷺ اور صحابہؓ کرام تبلیغ کے

لئے سفر کرتے تھے جہاد میں جاتے تھے لیکن عام طور پر سب عورتوں کو اپنے ساتھ نہ لے جاتے تھے۔

جب اُس خیر کے زمانہ میں یہ صورتِ حال رہی ہے تو اس شر اور فتنوں کے زمانہ میں عورتوں کو تبلیغ کیلئے سفر کرنا اگرچہ محرم کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو کیوں کر جائز ہو سکتا ہے؟ یہ خیال کہ عورتوں کو کس طرح تبلیغ ہوگی؟ اس بنا پر صحیح نہیں کہ ان کے مردان کو تبلیغ کریں اور دین کے احکام ان کو سکھائیں اور خود مرد دین کی باتیں دوسرے واقف کاروں سے سیکھیں یا سیکھنے اور سکھلانے کے لئے سفر کریں ورنہ عام طور پر عورتوں کا تبلیغ کے لئے سفر کرنا فتنے کے دروازوں کا کھول دینا ہے، جو آج دنیا پر نظر ڈالنے سے مشاہدہ بھی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ سید مہدی حسن غفرلہ (صدر مفتی دار العلوم دیو بند) ۱۳۷۱/۲/۲۵ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ (مفتی اعظم مظاہر علوم سہارنپور) **الجواب صحیح**: عبد اللطیف (ناظم مظاہر علوم سہارنپور)

نوٹ:۔ ان دونوں حضرات کی تصدیق مظاہر علوم سہارنپور کے دار الافتاء کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ (مفتی) حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ ۱۴۳۲/۳/۲۳ھ

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ (مفتی اعظم گجرات) کا فتویٰ

سوال:۔ (۱۶۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں اپنی اہلیہ کو لے کر تبلیغی جماعت میں جا سکتا ہوں؟ عورتوں کو جماعت میں لے جانا چاہئے یا نہیں؟۔

الجواب:۔ عورتوں کو تبلیغی جماعت میں لے جانا مطلوب اور پسندیدہ نہیں ہے (واثمھما اکبر من نفعھما) کا مصداق ہے عورتیں غیر محتاط ہوتی ہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۲۹۸/۱۰) (فتاویٰ رحیمیہ کامل ۱۳۶/۲۔۱۳۷، باب الدعوۃ والتبلیغ) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۲۰۸/۱۶۔۲۱۰)۔

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

تبلیغی جماعت کی شرعی حیثیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم المقام لائق صد احترام حضرت مولانا مفتی اعظم صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون کے عرض خدمت یہ ہے کہ مندرجہ ذیل مسئلہ میں اللہ اور رسول کا کیا حکم ہے؟۔

سوال (نمبر۱):۔جیسا کہ ہر صاحب استطاعت مسلمان پر زندگی میں ایک بار حج بیت اللہ فرض ہے اسی طرح کیا مہینے میں ''تین دن'' سال میں ''ایک چلہ'' اور عمر میں ''تین چلے'' فرض و واجب یا سنت ہیں؟ ان امور کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا ان کو ادا نہ کرنے والا گناہ کا مرتکب ہوگا؟ جنت سے محروم رہے گا؟۔

سوال (نمبر۲):۔عمر میں ''تین چلے'' سال میں ''ایک چلہ'' مہینے کے ''تین دن'' کیا ان امور پر اصرار، دین میں اختراع کے مترادف نہیں ہے، کیا یہ بدعت کے زمرے میں نہیں آتا؟ برائے مہربانی مفصل و مدلل جواب تحریر فرمائیں، فقط۔

طالب دعاء: محمد شفیع محلہ چودھریان ضلع بلند شہر یوپی

﴿۱۲۴۰/ب﴾ بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق: جماعت میں چلے کیلئے نکلنا یا مہینے میں تین دن کیلئے نکلنا، غرض موجودہ جماعت تبلیغ میں نکلنا یہ ایک امر مستحب ہے، فرض، واجب یا سنت مؤکدہ نہیں ہے، مستحب کام کو کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے، اگر کرے گا اجر وثواب کا مستحق ہوگا، اور اگر نہ کرے تو اس سے کوئی بازپرس نہ ہوگی، مستحب کو ترک کرنے والا گناہ گار نہیں ہوتا، اور ایسا بھی نہیں کہ وہ جنت سے محروم کیا جائے۔

(۲) عمر میں ''تین چلے'' سال میں ''ایک چلہ'' مہینہ کے ''تین دن'' نکلنا یہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہیں ہے، یہ تو جماعت والوں نے ہی اپنے تجربے کے مطابق بنا رکھا ہے، اسے فرض وواجب سمجھنا اس پر اصرار کرنا اس ترتیب کے مطابق نہ نکلنے والوں پر لعن طعن کرنا یہ یقیناً جہالت کی بات ہے، اس سے بدعت کا دروازہ کھل جائے گا، شریعت میں جس کی جو حیثیت ہے اسی حیثیت کے مطابق اس پر عمل کرنا چاہیے، واللہ اعلم۔

حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ

مفتی دار العلوم دیوبند ۳/رمضان ۱۴۲۲ھ